ماھنامہ

حکمت بالغہ

فروری 2007

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس: 0092-47-7628361

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

حرفِ آرزو

الحمدللہ ''حکمت بالغہ'' کا دوسرا شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ پہلا شمارہ اگرچہ بروقت چھپ کر تیار ہو گیا تھا تاہم کچھ دفتری کاروائیوں اور ڈاک کے معاملات طے کرنے میں تاخیر کی وجہ سے پہلا شمارہ قارئین تک دیر سے پہنچ پایا۔ ان شاءاللہ آئندہ ہماری بھرپور کوشش ہوگی کہ حکمت بالغہ ہر ماہ کے اوائل میں ہی آپ کے پاس پہنچ جائے۔

اس شمارے میں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن صاحبؒ (متوفی 1920) صدر جمعیت العلمائے ہند کے تین فرمودات کے نام سے ان کے حوالے سے تین اقتباسات شائع کئے جارہے ہیں ان اقتباسات کی اشاعت کا اصل مدعا قرآن مجید ہی کی طرف متوجہ کرانا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی کتاب مبین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے (آمین) اور مسلمانوں کو بالعموم اسی قرآن مجید کی نسبت سے متحد اور منظّم فرماوے (آمین)

مجدّد تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی ایک تقریر بعنوان ''مسلمانوں کی موجودہ پستی اس کا واحد علاج'' کا پہلا حصہ بھی شامل اشاعت ہے۔ یہ حصہ جس میں حضرت مولانا الیاس صاحب نے حالات کا تجزیہ کیا ہے اور مسلمانوں کی پستی کی وجوہات قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائی ہیں۔ 80 سال قبل کی طرح آج بھی اسی طرح اہم ہیں۔ اللہ کرے کہ امت کے کسی حصہ میں اس تحریر کے مطالعہ سے کوئی جذبہ عمل ازسرنو پیدا ہو سکے۔

وما ذالك على الله بعزيز۔

رویت ہلال کا مسئلہ
بصری یا نظری

اس دفعہ دسمبر 2006ء میں ذوالحجہ کے ہلال کو دیکھنے کے سلسلے میں حسب سابق اختلاف سامنے آیا ہے اور اطلاعات کے مطابق ملک خداداد پاکستان میں تین دن (ہفتہ/اتوار/سوموار) عیدالضحیٰ منائی گئی۔ نئے قمری ماہ کا چاند دیکھنے کا مسئلہ بظاہر تو سادہ سا ہے مگر دور حاضر کی حیران کن ترقی اور وسائل کی فراوانی نے اسے ایک اہم قضیہ بنا دیا ہے۔ ایک صدی پہلے تک جہاں جہاں مسلمان بستے تھے وہاں مقامی مطلع کے مطابق چاند دیکھ کر قمری مہینے کی یکم تاریخ کا تعین کر لیتے تھے۔ اس لئے کہ سفر مشکل تھے اور اطلاعات کی منتقلی زیادہ تیز رفتار نہیں تھی زیادہ سے زیادہ سفر روزانہ 15-20 میل (یا 20-30 کلومیٹر) ہوتا تھا اس درجے میں مطلع کا ویسے ہی زیادہ تفاوت نہیں ہوتا۔

دور حاضر میں ایک آدمی سعودی عرب میں چاند دیکھ کر جہاز میں بیٹھتا ہے اور رات گیارہ بجے تک کراچی پہنچ جاتا ہے یا آدمی کراچی سے عصر کے وقت روانہ ہو کر جدہ اترتا ہے تو وہاں مغرب عشاء کے درمیان کا وقت ہوتا ہے دوستوں کو موبائل پر اطلاع دے سکتا ہے چاند نظر آ گیا ہے لمحے لمحے کی خبریں یہاں سے وہاں، مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچ رہی ہیں لہٰذا اب ہماری ذہنی ساخت اور صدیوں سے بنے بنائے نسلاً بعد نسلٍ جاری ذہنی پیمانے بھی مجروح ہو رہے ہیں۔

قرآن مجید بلاشبہ اللہ کا کلام ہے سنت رسول ﷺ قرآن کی تشریح اور تفاصیل کے تعین کے لئے واحد سرچشمہ ہے۔ قرآن و سنت اپنی جگہ لیکن قرآن و حدیث سے ہمارے ذہنوں نے

کچھ چیزیں اخذ کر کے ایک ساخت اور سانچہ (یا کینڈا) بنالیا ہوتا ہے جو ہر دور میں اپنے دور کے مروجہ علوم اور عصری علوم کیساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ چودہ سو سال پہلے کائنات سے متعلق قرآن و حدیث کے الفاظ سے جو سمجھا گیا وہ اس دور کے عصری علوم کی فضا سے باہر نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس کا مکلّف ٹھہرایا ہے تاہم گذشتہ دو تین صدیوں میں مغربی علوم کی ترقی کے ساتھ کائنات کے بارے میں جو انسانی معلومات ہیں حد درجہ اضافہ ہوا ہے اس سے قرآن و حدیث کے الفاظ اور متن میں تو نہ کوئی فرق پڑنے والا ہے اور نہ آئندہ پڑے گا مگر ہمارے ذہنی پیمانے اور تصورات کو اس ترقی سے ضرور دھچکا لگتا ہے جس صورت حال کو ہم جلد بازی میں ''قرآن و حدیث کے خلاف'' کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیتے ہیں حالانکہ کائناتی حقائق کے بارے میں سائنس ترقی قرآن مجید کے الفاظ اور متن کو زیادہ حق ثابت کر رہی ہے اور اس کی تائید اور تقویت کا باعث ہے جس کا ہمیں اعتراف کرنا چاہئیے۔ اس کی درج ذیل مثالیں سامنے رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن رسا کو قرآن وسنت کے تصور کے قریب تر کر دیں گے۔

(i) آج سے 6 ہزار سال پہلے سے لیکر اٹھارویں صدی تک دنیا بھر میں عوامی سطح پر زمین کے چپٹا ہونے کا تصور تھا۔ (آج بھی دور دراز علاقوں میں کم تعلیم یافتہ لوگ شاید اسی دور میں رہ رہے ہیں) آسمان کا بلند ہونا بھی بس چند سو میٹر سے زیادہ فاصلے کا تصور نہ تھا۔

اسی لئے ہمارے قدیم مذہبی لٹریچر میں اور قرآن کی تشریح میں جو اس دور کی تحریریں ہیں ان میں طوفان نوحؑ کا تذکرہ عجب انداز میں ہے کہ وہ پوری زمین پر آیا تھا بلکہ دیہاتی سطح پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت نوحؑ کا بیڑا آسمان سے جا لگا تھا۔

قرآن مجید میں سورۃ مومن (40) میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت توحید دی ہے اور رب العالمین کا ذکر فرمایا ہے تو فرعون نے بزعم خویش اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ میرے لئے ایک اونچی سی عمارت بناؤ تا کہ اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب فضاؤں میں کہاں ہے؟۔۔۔۔۔ اس کے خیال میں دس بیس منزلہ مکان کی چھت (یا اونچے سے اونچے اہرام 400 فٹ) پر کھڑے ہو کر فضا میں اللہ کے بارے میں خبر لائی جا سکتی ہے۔ یہ کوتاہ

فہمی صرف فرعون کا قصور نہیں تھا بلکہ کئی سو سال تک طبیعات کی دنیا کے یہی تصورات رہے۔ انسان وحی الٰہی کی بھی وہی تشریحات کرتا ہے جو اس کے مروجہ علوم عصری سے ایک ذہنی ظرف تیار ہو چکا ہوتا ہے اور یہی سلسلہ ماضی میں جاری رہا ہے۔

الحمدللہ، حقیقت کے عین مطابق امت مسلمہ کا ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے الفاظ اٹل اور مستقل ہیں قرآن مجید کی تشریح سنت رسول ﷺ ہے اور اس سنت کا ماخذ اول کتب احادیث ہیں اور پھر آثار صحابہؓ ہیں۔ تاہم چونکہ احادیث کے الفاظ اور متن میں انسانی ذہن اور یادداشت کو دخل ہے لہٰذا اس کے الفاظ صحابہؓ اور تابعین کے دور کے بعد کے غیر ثقہ راویان کی وجہ سے حدیث کے صحیح ہونے اور مفہوم کے ادا ہونے کے باوجود الفاظ کے غیر نبوی ﷺ ہونے کا امکان ہے۔

اس پر مستزاد ہے عصری علوم اور طبعی اور جغرافیائی حقائق کے زیر اثر آج سے ہزار سال قبل کا ذہن جس نے علوم انبیاء علیہم السلام کو اخذ کیا اور ان کی تشریح کی لیکن اس دور کے کائنات کے تصور سے بہر حال باہر نہیں جا سکتے تھے اور نہ ممکن ہی تھا۔

آج گزشتہ پانچ صدیوں کی محنت اور تجرباتی علوم کی ترقی کے باعث فلکیات، طبقاتی سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب کائنات کا تصور ہی بدل گیا ہے اور پرانے ذہنی سانچے الٹ پلٹ ہو گئے ہیں۔

اسی طرح چاند زمین اور سورج سے متعلق حقائق کی دریافت سے بھی پرانا ذہن بدل چکا ہے۔ اگرچہ قرآن مجید کے الفاظ اٹل ہیں اور احادیث اور سنت رسول ﷺ بھی غیر متبدل ہے تاہم سائنسی اور کائناتی حقائق کی دریافت اور علم کی وسعتوں کے پیش نظر انسان کا ذہنی ظرف بدلا ہے تو قرآن وحدیث کے الفاظ کی روشنی میں حقائق پر دوبارہ غور وفکر کی ضرورت ہے اور یہ بھی کوئی اور نہیں علماء کرام اور ماہرین قرآن وسنت ہی کو کرنا ہوگا۔

اس پس منظر میں دیکھئے قمری مہینے کی ابتداء اور رویت ہلال کا مسئلہ اہم ہونے کے باوجود کوئی لاینحل مسئلہ نہیں ہے، آیئے چند بنیادی حقائق پر نظر ڈالیں اور غور کریں۔

(1) زمانہ قدیم میں قمری اور شمسی دونوں طرح کے کیلنڈر رائج تھے اور آج بھی ہیں۔ اور مذاہب و اقوام عالم عام طور پر کسی ایک کو اپنے لئے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اسلام کی افاقیت کی دلیل اور اللہ کی حکمت کا مظہر ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسلام کی تعلیمات کو بروئے کار لانے کے لئے سورج اور چاند دونوں سے متعلق وقت کی پیمائش کو اپنا اپنا مقام دیا ہے۔

(i) نمازوں کے لئے سورج کے طلوع و غروب کے حوالے سے پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اوقات (زوال طلوع، غروب وغیرہ) سورج کی حرکت سے متعلق کر دیئے گئے ہیں۔

(ii) فصلوں کا نظام اور عشر کا نظام بھی سورج کے ساتھ وابستہ ہے صاف ظاہر ہے کہ اس کو قمری نظام سے جوڑنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی جوڑا گیا ہے۔

(iii) اسلامی تقویم اور حج اور روزہ کی عبادت کو چاند کی حرکت اور تغیر و تبدل کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں ویسے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں تاہم جو حکمت عیاں ہے وہ یہ کہ روزہ اور حج کو قمری کیلنڈر سے جوڑ کر ان عبادات کو کسی ایک موسم کی بجائے سال بھر کے دوران چلایا گیا ہے۔ کہ دنیا کے ہر خطے اور علاقے کے لوگ مختلف موسموں اور فصلوں اور مصروفیات کے دوران ان عبادات کے لئے وقت نکالیں اور سردیوں گرمیوں کے مستقل خانوں میں مقید نہ رہیں۔

(iv) نمازوں کے اوقات کے لئے پہلے سورج کو دیکھا جاتا تھا اور سائے سے اندازہ لگایا جاتا تھا اب اس نے ترقی کر کے گھڑی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ سوئیوں والی گھڑی کی بنیاد سورج اور سایہ کی تبدیلی ہی ہے۔

دور نبوی ﷺ اور دور صحابہؓ میں رویت ہلال سے متعلق مختلف مواقع پر مندرجہ ذیل قسم کی صورت حال پیدا ہوئی۔

(i) اسلام میں عیدوں کی تہواری اہمیت اور حضرت محمد ﷺ کی ترغیب اور تشویق کے نتیجے میں عام شوق تھا کہ چاند دیکھا جائے۔ اگر چہ کبھی بھی شاید ایسا نہیں ہوا کہ لازماً تمام مرد و خواتین چاند دیکھیں تاہم اگر اکثر نے چاند دیکھ لیا تو بات اولی الامر تک پہنچائی گئی اور چاند کا اعلان کر دیا گیا۔

(ii) مطلع کے صاف نہ ہونے یا کسی اور وجہ سے ہلال عمومی طور پر نظر نہیں آیا تو کم از کم دو معتبر گواہ ہونے کی صورت میں اولی الامر نے چاند ہونے کا فیصلہ دے دیا۔

(iii) کسی علاقے میں چاند نظر نہیں آیا بلکہ باہر سے کوئی آدمی آیا اور اس نے (مطلع کے ذرا سے فرق کی وجہ سے) چاند دیکھنے کی شہادت دی تو اولی الامر نے چاند دیکھنے کا فیصلہ کر دیا۔

(iv) دور نبوی ﷺ میں رمضان کے 30 ویں دن ایک آدمی مدینے سے باہر سے آیا اور اس نے چاند ہونے کی اطلاع دی تو رسول اللہ ﷺ نے روزہ کھلوا کر عید ہونے کا اعلان فرما دیا۔

(v) اسلامی سلطنت کی وسعت پر مختلف شہروں میں چاند کے فیصلہ ہونے کی صورت میں قریبی علاقہ جہاں تک اطلاع پہنچائی جا سکتی تھی (زیادہ سے زیادہ ایک روز کا سفر) وہاں تک نیا چاند نظر آنے کو تسلیم کر کے اس کے مطابق عمل کیا گیا۔

دور حاضر میں علمائے کرام اور ماہرین قرآن وسنت نے مختلف مواقع پر نئے تناظر میں اجتہاد کیا ہے اور امت کی رہنمائی کی ہے یہ اجتہادی فیصلے بڑے اہم ہیں اب وہاں سے آگے کی طرف مزید سوچنے کی ضرورت ہے 60 کی دہائی میں جب پاکستان مغربی اور مشرقی حصوں پر مشتمل تھا ایسا ہوتا تھا کہ مغربی پاکستان میں چاند نظر آیا تو 1000 میل دور مشرقی پاکستان میں عید کر لی گئی اور اگر مشرقی پاکستان میں چاند نظر آیا۔ تو مغربی پاکستان میں عید کر لی گئی۔ اگر چہ مروجہ طور پر مشرقی اور مغربی پاکستان میں ایک گھنٹے کا فرق تھا اب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد کیا 1000 میل (1600 کلومیٹر) کے فاصلے پر دالبدین سے بحرین کا یا الجبیل (سعودی عرب کا مشرقی مقام) سے ہلال کی رویت کو نہیں جوڑا جا سکتا۔ پشاور میں چاند نظر آنے پر گوادر اور تربت میں عید ہو سکتی ہے تو تربت میں چاند نظر آنے پر پورے ملک میں عید کیوں نہیں ہو سکتی؟۔ امرتسر اور

لاہور کا فرق 50 کلومیٹر کا ہے شاید گوادر میں رویت ہلال پر لاہور میں عید ہو جائے مگر امرتسر میں چاند نظر آنے پر ممکن نہیں کیوں؟۔ حالانکہ مطلع کا کوئی فرق نہیں اور مطلع اور فضا ہر قسم کی جغرافیائی حدود سے بالاتر چیز ہے۔اس طرح سعودی عرب اور مصر، سعودی عرب اور کویت، امارات، عراق، اردن اس طرح ہیں جس طرح پاکستان کا صوبہ بلوچستان اور صوبہ سرحد اور کشمیر۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو جو جگہ دی ہے وہ جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ انڈونیشیا، ملائیشیا سے مراکش تک صرف 6 گھنٹے کا فرق ہے جبکہ پاکستان سے لیکر سعودی عرب تک کا علاقہ اس کا وسط ہے اگر اس درمیانی علاقہ میں چاند نظر آ جائے تو پورے عالم اسلام میں رویت تسلیم کی جانی چاہئے۔

اس سے بھی ذرا ہٹ کر غور فرمائیں پورے فضائی ماحول میں چاند وہ واحد کرّہ ہے جس سے متعلق انسانی معلومات آج زمین کے بعد سب سے زیادہ ہیں اس لئے کہ وہاں تو مختلف مہمات کے دوران انسان کے بھیجے ہوئے مشینی آلات سمیت چاند گاڑی اتر چکی ہے۔لہٰذا اس کی حرکات اور مدار کے لمحے لمحے کی کیفیت کا ہمیں گھر بیٹھے اندازہ ہے اسی لئے ہم سب جانتے ہیں کہ اب سال پہلے (بلکہ آئندہ دس سال کے چاند سورج کے گرہنوں کا شیڈول دیا جا سکتا ہے) چاند گرہن اور سورج گرہن کے اوقات، دورانیہ اور تاریخ سے متعلق اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اس وقت فی الواقع گرہن کے وقت میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔

گویا چاند کی محوری گردش اور سالانہ گردش کے پیش نظر سال بھر کے چاند کے سفر اور کسی خاص مطلع پر اس کے نظر آنے کی پیشگی اطلاع ہو سکتی ہے۔ جیسے سورج کے طلوع و غروب کے سائنسی نظام سے بنے چارٹوں سے ہم لوگ فائدہ حاصل کر کے روزہ رکھتے اور افطار کرتے ہیں اسی طرح اس کے مماثل چاند کے بارے میں معلومات کے تحت رمضان المبارک کے آغاز و اختتام کا فیصلہ نہ خلاف عقل و فطرت اور نہ ابعد من السنۃ ہے۔

ایک اور نظر سے دیکھیں تو ہمارے قابل احترام علماء کرام اور ماہرین قرآن وسنت نے اس طرح کا ایک اجتہاد پہلے سے کر رکھا ہے اور اسی کا فتویٰ بھی دیا جاتا ہے۔ اور ایسا فتویٰ حالات کا تقاضا بھی ہے اور قرآن وسنت کی صحیح رہنمائی بھی۔ و ھو ھذا۔ کرّہ ارض کے انتہائی شمالی ممالک اور علاقوں میں 6 ماہ کی رات اور 6 ماہ کا دن ہوتا ہے یا کم وبیش اس طرح کے حالات ہیں ایسی صورت میں صاف ظاہر ہے کہ یا تو علماء کرام یہ فتویٰ دیتے کہ وہاں کے مسلمان سال میں صرف پانچ نمازیں پڑھیں اور روزے بالکل نہ رکھیں؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ شریعت کے ظاہری منشا کے خلاف ہوتا۔

اب علماء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ وہاں کے مسلمان تمام مسلمان ممالک کے مطابق گھڑی دیکھ کر 24 گھنٹے میں پانچ نمازیں ادا کریں اور گھڑی دیکھ کر رمضان المبارک کے ماہ میں روزے بھی رکھیں۔ اب دیکھیں یہ سارا نظام سورج کی ظاہری حرکت سے کاٹ کر نظری صورت حال سے جوڑ دیا گیا ہے۔ 6 ماہ کے دن میں صبح کا مکروہ وقت ہمارے کئی دنوں کے برابر ہوگا زوال کا وقت بھی ہمارے کئی دنوں کے برابر ہوگا عصر کے بعد کا وقت بھی ہمارے تقریباً 10 دنوں کے برابر ہو گا (جس میں اس دن کی عصر کے علاوہ کوئی دوسری نماز نہیں پڑھی جاسکی) تو گویا سورج زوال پر ہے نماز اور سجدہ منع ہے مگر آپ کئی دفعہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر ادا کر رہے ہیں علی ھٰذا القیاس طلوع اور غروب کے وقت۔

اگر بصری طور پر سورج کے زوال کے ممنوعہ وقت میں فرض نماز ادا کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے تو چاند کی نظری حرکت کے پیش نظر پاکستان کا کیلنڈر کیوں ترتیب نہیں دیا جا سکتا۔ حالانکہ یہ ایک قابل عمل چیز ہے (فوری مطالعہ کے لئے کراچی کے دو معروف دارالعلوموں کے فتاویٰ ساتھ شائع کئے جا رہے ہیں)۔

اور آخری بات یہ ہے کہ رویت بصری کے بجائے رویت نظری کا اہتمام اب دور حاضر میں جدید فنی ایجادات اور INFORMATION TECNOLOGY کی ترقی کی وجہ

سے ضرورت ہی نہیں امت مسلمہ کے مصالح کے تحت لازم ہے اور پہلے پاکستان کے لئے ایک رویت نظری پر مشتمل کیلنڈر تیار کیا جانا ضروری ہے جس میں اہل علم ماہرین ہیئت وجغرافیہ اور ماہرین قرآن وسنت شامل ہوں اسلامی نظریاتی کونسل یا شریعت کونسل یا کوئی دیگر خصوصی نوتشکیل شدہ ادارہ کے تحت یہ کام کیا جاسکتا ہے اور یوں قرآن اور حدیث کے مسلمات پر ڈٹے رہنے کے ساتھ ساتھ فرائض کی ادائیگی اور اسلامی تہواروں کے تعین کے لئے عالمی امت اور امت واحدہ کا تصور اجاگر کیا جاسکتا ہے۔

اس مقصد کے لئے آپ غور کیجئے ایک اہتمام خالق کائنات نے پہلے سے ہی کر رکھا ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اگرچہ یہ چودہ صدیاں پہلے نازل ہوا تاہم یہ کلام تا قیامت انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ رہے گا اس کے الفاظ میں چودہ صدیاں قبل کے انسانوں کے لئے بھی رہنمائی تھی اور اب بھی ہے اور آئندہ تا قیام قیامت رہے گی اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور متکلم کی طرح زندہ و پائندہ ہونے کی وجہ سے اس کے الفاظ میں وہ معنوی گنجائش موجود ہے جو تمسک بالقرآن کے ٹھیٹھ تصور کو مجروح کئے بغیر بھی آج کے مسائل کو حل کرسکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نام سے کون واقف نہیں الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر کے ضمن میں یہ اصول پیش نظر رہنا چاہیئے۔ ''الاعتبار لعموم اللفظ لا لخصوص السبب '' قرآن مجید کے الفاظ کے عموم کا خیال رکھا جانا چاہیئے نہ کہ سبب کے اختصاص کا۔

الفاظ کے عمومی معنی کا خیال رکھیں گے تو اسلام میں حرکت (DYNAMISM) اور اجتہاد کا فطری اور لابدی تصور اجاگر ہوگا جبکہ الفاظ کو کسی خاص پس منظر والے معنٰی میں مقید کردیں گے تو جامدیت اور تحجر کا تصور ابھرے گا اور اسلام کے دین فطرت، آفاقی دین اور ہر دور اور ہر علاقے اور پوری انسانیت کے دین کے تصور کو اجاگر کرنے میں مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔

اسی طرح حدیث کے الفاظ میں اگر متن کے الفاظ میں کوئی معنٰی ایسے نکلتے ہوں جو

پہلے قابل عمل نہیں تھے اب لائق اعتناء اور مصالح امت کے لئے ضروری ہیں تو کئی دوسرے مواقع کی طرح رویت ہلال کے مسئلے پر اس کا اطلاق وقت کا تقاضا ہے۔

لفظ رؤیت۔۔۔عربی لغت میں دو معنی میں آیا ہے دیکھنا اور غور کرنا جیسے بصر اور بصیرت ظاہری آنکھ سے دیکھنا اور دل کی آنکھ سے دیکھنا۔اسی لئے قرآن مجید کی آیات میں مختلف جگہ مفسرین کرام نے اپنے ذوق کے مطابق تراجم کئے ہیں۔

☆ مثال کے طور پر سورۃ الفیل میں اصحاب فیل کا واقعہ ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ نے فرمایا ہے!

الم تر کیف فعل ربك باصحب الفیل ۔

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ۔

یہاں لفظ "لم تر" رویت سے اور ''رائے'' مادہ سے آیا ہے مگر صاف ظاہر ہے یہاں مراد رویت بصری ہو ہی نہیں سکتی یہاں سوچنا، غور کرنا اور دل کی آنکھ سے دیکھنا ہی مراد ہو سکتے ہیں

☆ ایک اور مثال قرآن مجید میں فرعون کے تذکرہ میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں!

" وفرعون ذی الاوتاد" (الفجر 89)

ترجمہ: اور فرعون ''اوتاد'' والا۔

''وتد'' عربی میں بڑی میخ یا PEG کو کہتے ہیں قرآن مجید میں پہاڑوں کو بھی ''وتد'' کہا گیا ہے۔

والجبال اوتادا (النبا 78)

''اور پہاڑوں کو اوتاد بنایا۔''

ہمارے متقدمین مفسرین کرام نے ''فرعون میخوں والا'' ترجمہ کیا ہے اگرچہ فرعون پہاڑوں والے ترجمہ کرتے تو ممکن تھا مگر اس کی تطبیق کہ پہاڑوں سے مراد کیا ہے ایک لاینحل مسئلہ ہوتا اب جبکہ عصر حاضر میں فرعون بادشاہوں کے تعمیر کردہ ''اہرام مصر'' دریافت ہو چکے ہیں جو

پہاڑوں ہی کی طرح بڑے بڑے ہیں اور 1902ء میں انہیں اہراموں میں سے فرعون موسیٰؑ کی لاش بھی برآمد ہوچکی ہے جو قاہرہ عجائب خانہ میں موجود ہے۔

غور فرمائیں! قرآن مجید پہاڑوں کو ''اوتاد'' کہتا ہے اور فرعون کو ''ذی الاوتاد'' کہتا ہے تو دو باتوں کو ملانے سے منطقی نتیجہ ہے وہ ہے فرعون پہاڑوں والے، یعنی وہ فراعنہ مصر جنہوں نے پہاڑوں جیسے اہرام اور مقبرے بنادیئے تھے۔

اب یہ ترجمہ ممکن ہے کہ علوم عصری میں یہ بات واضح ہوچکی ہے اور زبان زد خاص و عام ہے اگرچہ 1902ء سے قبل وہی ترجمہ ممکن تھا جو ہوا یہ ہمارے علوم عصری کی نارسائی تھی ورنہ قرآن مجید کے الفاظ میں، رب العالمین کے کلام میں تو یہی حقیقت جھلک رہی ہے جو آج عیاں ہے۔

کلام الٰہی میں بڑی بڑی حقیقتوں کا سادہ اور چودہ صدیاں قبل مروجہ الفاظ میں بیان اسی ذات حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے شایان شان ہے کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

اسی لفظ ''رائے'' پر غور فرمایئے اس میں یہ گجائش فاطر فطرت اور خالق ارض وسماء نے رکھی ہے کہ رویت بصری اور رویت نظری کے معنی لئے جاسکتے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء کرام اور ماہرین قرآن وسنت اس پر غور فرمائیں۔ ہمارا کام تو جرات کر کے توجہ دلا دینا ہے فیصلہ تو اہل علم ہی کر سکتے ہیں کہ پاکستان بھر کے لئے (یا ہر مسلم ملک کیلئے) ایک کیلنڈر رویت نظری کی بنیاد پر ترتیب دیا جائے۔اگر یہ مرحلہ بآسانی طے ہوجائے تو خود علماء کرام محسوس فرمائیں گے کہ بنگلہ دیش سے لیکر سعودی عرب کے ملک تک تقریباً ایک ہی کیلنڈر سامنے آئے گا اور پوری دنیا کی سطح پر امت میں اتحاد و یگانگت کی راہ نکل جائے گی اور کیا عجب کہ یہی اتحاد و یک رنگی ہمارے لئے مستقبل میں سیاسی، معاشی، معاشرتی، ذہنی اور فکری ہم آہنگی کی صورت اختیار کرلے اور ؎

ایک ہو ں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

کا دیرینہ خواب پورا ہو سکے۔

فرمانِ خداوندی

فَتَوَ لَّ عَنهُم م یَومَ یَد عُ الدَّ اع اِلیٰ شَیءٍ نُّکُرٍ ☆

تو تم بھی ان کی کچھ پروانہ کرو۔ جس دن بلانے والا ان کو

ایک ناخوش چیز کی طرف بلائیگا☆

خُشَّعًا اَبصَارُ هُم یَخرُ جُونَ مِنَ الاَجدَاث

کَاَنَّهُم جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ☆

تو آنکھیں نیچی کئے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے

گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں☆

مُّهطِعِینَ اِلَی الدَّاعِ ط یَقُولُ الکٰفِرُونَ هٰذَا یَومٌ عَسِرٌ ☆

اس بلانے والے کی طرف دوڑتے جاتے ہوں گے۔ کافر کہیں گے

یہ دن بڑا سخت ہے☆

کَذَّبَت قَبلَهُم قَومُ نُوحٍ فَکَذَّ بُوا عَبدَنَا وَقَالُوا مَجنُونٌ وَّ

ازدُجِرَ ☆

ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انہوں نے

ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انہیں ڈانٹا بھی☆

فَدَعَا رَبَّهُ اَنِّی مَغلُوبٌ فَانتَصِر ☆

تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (بارالٰہا) میں

(ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے☆

فَفَتَحنَآ اَبوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنهَمِرٍ ☆

پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے☆

وَّفَجَّرنَا الاَرضَ عُیُونَا فَالتَقَی المَآءُ عَلٰی اَمرٍ قَد قُدِرَ☆

اورزمین میں چشمے جاری کردیئے تو پانی ایک کام کے لئے جومقدر

ہوچکا تھا جمع ہوگیا☆

وَحَمَلنٰهُ عَلٰی ذَاتِ اَلوَاحٍ وَّدُسُرٍ☆

اورہم نے نوح کوایک کشتی پر جوتختوں اور

میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کرلیا☆

تَجرِی بِاَعیُنِنَا ج جَزَآءً لِّمَن کَانَ کُفِرَ☆

وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اس

شخص کے انتقام کے لئے کیا گیا جس کو کافر مانتے نہ تھے☆

وَلَقَد تَّرَکنٰهَآ اٰیَةً فَهَل مِن مُّدَّکِرٍ☆

اورہم نے اس کوایک عبرت بنا چھوڑا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟☆

فَکَیفَ کَانَ عَذَابِی وَنُذُرِ ☆

سو(دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟☆

وَلَقَد یَسَّرنَا القُراٰنَ لِلذِّکرِ فَهَل مِن مُّدَّکِرٍ ☆

اورہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کردیا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟☆

کَذَّبَت عَادُ فَکَیفَ کَانَ عَذَابِی وَنُذُرِ ☆

عاد نے بھی تکذیب کی تھی سو(دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا☆

اِنَّآ اَرسَلنَا عَلَیهِم رِیحًا صَرصَرًا فِی یَومِ نَحسٍ مُّستَمِرٍّ ☆

ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی☆

تَنزِعُ النَّاسَ ۔ کَاَنَّهُم اَعجَازُ نَخلٍ مُّنقَعِرٍ ☆

وہ لوگوں کو اس طرح اکھیڑے ڈالتی تھی گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں☆

فَکَیفَ کَانَ عَذَابِی وَنُذُرِ ☆

سو(دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا☆

وَلَقَد يَسَّرنَا القُراٰنَ لِلذِّكرِ فَهَل مِن مُّدَكِرٍ ☆ ع

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟☆

اظہار حقیقت

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۵

سیدی ومولائی زُبدۃُ الفضلاء قدوۃ العلماء حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دام مجدہ کے خاص شغف اور انہماک اور دیگر بزرگان ملت اور علماء امت کی توجہ اور برکت اور عملی جدوجہد سے ایک عرصہ سے مخصوص انداز میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا سلسلہ جاری ہے جس سے باخبر طبقہ بخوبی واقف ہے۔

مجھ بے علم اور سیاہ کار کو ان مقدس ہستیوں کا حکم ہوا کہ اس طرز تبلیغ اور اس کی ضرورت اور اہمیت کو قلم بند کیا جائے تا کہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو اور نفع عام ہو جائے۔

تعمیل ارشاد میں یہ چند کلمات نذر قرطاس کئے جاتے ہیں جو ان مقدس ہستیوں کے دریائے علوم ومعارف کے چند قطرے اور اس باغیچۂ دین محمدی کے چند خوشے ہیں جو انتہائی عجلت میں جمع کئے گئے ہیں۔ اگر ان میں کوئی غلطی یا کوتاہی نظر سے گزرے تو میری لغزش قلم اور بے علمی کا نتیجہ ہے۔ نظر لطف وکرم سے اس کی اصلاح فرمادیں تو موجب شکر ومنت ہوگا۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے میری بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کی پردہ پوشی فرمادیں اور مجھے اور آپ کو ان مقدس ہستیوں کے طفیل سے اچھے اعمال اور اچھے کردار نصیب فرمادیں اور اپنی رضا ومحبت اور اپنے پسندیدہ دین کی اشاعت اور اپنے برگزیدہ رسولؐ کی اطاعت اور فرماں برداری کی دولت سے سرفراز فرمادیں۔

مدرسہ کاشف العلوم — خاکپائے بزرگاں

بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی — محمد احتشام الحسن ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ سیدالاولین والاخرین خاتم الانبیاء والمرسلین محمد والہٖ واصحابہٖ الطیبین الطاھرین۔

آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال قبل جب دنیا کفر وضلالت، جہالت وسفاہت کی تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی۔ بطحا کی سنگ لاخ پہاڑیوں سے رشد و ہدایت کا ماہتاب نمودار ہوا اور مشرق ومغرب، شمال وجنوب غرض دنیا کے ہر ہر گوشہ کو اپنے نور سے منور کیا اور ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں بنی نوع انسان کو اس معراج ترقی پر پہنچایا کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے اور رشد و ہدایت، صلاح وفلاح کی وہ مشعل مسلمانوں کے ہاتھ میں دی جس کی روشنی میں ہمیشہ شاہراہ ترقی پر گامزن رہے اور صدیوں اس شان وشوکت سے دنیا پر حکومت کی کہ ہر مخالف قوت کو ٹکرا کر پاش پاش ہونا پڑا یہ ایک حقیقت ہے جو نا قابل انکار ہے لیکن پھر بھی ایک پارینہ داستاں ہے جس کا بار بار دہرانا' نہ تسلی بخش ہے اور نہ کارآمد اور مفید، جب کہ موجودہ مشاہدات اور واقعات خود ہماری سابقہ زندگی اور ہمارے اسلاف کے کارناموں پر بدنما داغ لگا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ زندگی کو جب تاریخ کے اوراق میں دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عزت وعظمت، شان وشوکت، دبدبہ وحشمت کے تنہا مالک اور اجارہ دار ہیں لیکن جب ان اوراق سے نظر ہٹا کر موجودہ حالات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو ہم انتہائی ذلت وخواری، افلاس وناداری میں مبتلا نظر آتے ہیں، نہ زور وقوت ہے، نہ زر ودولت ہے، نہ شان وشوکت ہے، نہ باہمی اخوت والفت۔ نہ عادات اچھی، نہ اخلاق اچھے، نہ اعمال اچھے نہ کردار اچھے۔ ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور۔ اغیار ہماری اس زبوں حالی پر خوش ہیں اور برملا ہماری کمزوری کو اچھالا جاتا ہے اور ہمارا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ خود ہمارے جگر گوشے نئی تہذیب کے دلدادہ نوجوان، اسلام کے مقدس اصولوں کا مذاق اڑاتے ہیں، بات بات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور اس شریعت مقدسہ کو نا قابل عمل، لغو اور بیکار گردانتے ہیں عقل حیران ہے کہ جس قوم نے دنیا کو سیراب کیا وہ آج کیوں تشنہ ہے؟ جس قوم نے دنیا کو تہذیب وتمدن کا سبق پڑھایا وہ آج کیوں غیر مہذب اور غیر متمدن ہے؟

رہنمایان قوم نے آج سے بہت پہلے ہماری اس حالت زار کا اندازہ لگایا اور مختلف طریقوں پر ہماری اصلاح کیلئے جدوجہد کی مگر ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج جب کہ حالت بد سے بدتر ہو چکی اور آنے والا زمانہ ماسبق سے بھی زیادہ پر خطر اور تاریک نظر آ رہا ہے، ہمارا خاموش بیٹھنا اور عملی جدوجہد نہ کرنا ایک نا قابل تلافی جرم ہے لیکن اس سے پہلے کہ ہم کوئی عملی قدم اٹھائیں، ضروری ہے کہ ان اسباب پر غور کریں جن کے باعث ہم اس ذلت وخواری کے عذاب میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ ہماری اس پستی اور انحطاط کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں، اور ان کے ازالہ کی متعدد تدابیر اختیار کی گئیں لیکن ہر تدبیر ناموافق و ناکام ثابت ہوئی جس کے باعث ہمارے رہبر بھی یاس و ہراس میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اب تک ہمارے مرض کی تشخیص ہی پورے طور پر نہیں ہوئی' جو کچھ اسباب بیان کئے جاتے ہیں اصل مرض نہیں بلکہ اس کے عوارض ہیں پس تاوقتیکہ اصل مرض کی جانب توجہ نہ ہوگی اور مادہ حقیقی کی اصلاح نہ ہوگی، عوارض کی اصلاح ناممکن اور محال ہے پس جب تک کہ ہم اصل مرض کی ٹھیک تشخیص اور اس کا صحیح علاج معلوم نہ کرلیں، ہمارا اصلاح کے بارے میں لب کشائی کرنا سخت ترین غلطی ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ کہ ہماری شریعت ایک مکمل قانون الٰہی ہے جو ہماری دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کا تا قیامِ قیامت ضامن ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم خود ہی اپنا مرض تشخیص کریں اور خود ہی اس کا علاج شروع کردیں، بلکہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن حکیم سے اپنا اصل مرض معلوم کریں اور اسی مرکز رشد وہدایت سے طریق علاج معلوم کر کے اس پر کاربند ہوں جب قرآن حکیم قیامت تک کے لئے مکمل دستور العمل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس نازک حالت میں ہماری رہبری سے قاصر رہے۔

مالِکِ ارض وسما جل وعلا کا سچا وعدہ ہے کہ روئے زمین کی بادشاہت وخلافت مؤمنوں کیلئے ہے۔

وعداللہ الذین امنوا منکم وعملوالصلحت لیستخلفنھم

فی الارض (نور۔ ع۷)

''اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے کہ ان کو ضرور روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا۔''

اور یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ مومن ہمیشہ کفار پر غالب رہیں گے اور کافروں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

ولوقتلکم الذین کفروا لولّوالادبار ثم لایجدون ولیا

ولا نصیراً ۵ (فتح ع۳)

''اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ پھر نہ پاتے کوئی یار و مددگار۔''

اور مومنوں کی نصرت اور مدد اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہی ہمیشہ سربلند اور سرفراز رہیں گے۔

وکان حقا علینا نصر المؤمنین (الروم۔ ع۵)

''اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی۔''

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ۵ (اٰل عمران ع۱۴)

''اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔''

ولله العزة ولرسوله وللمؤمنین (منافقون ع۱)

''اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔''

مذکورہ بالا ارشادات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عزت، شان و شوکت، سربلندی و سرفرازی اور ہر برتری و خوبی ان کی صفت ایمان کے ساتھ وابستہ ہے اگر ان کا تعلق خدا اور رسولؐ کے ساتھ مستحکم ہے (جو ایمان کا مقصود ہے) تو سب کچھ انکا ہے اور اگر خدانخواستہ اس رابطہ تعلق میں کمی اور کمزوری پیدا ہوگئی ہے تو پھر سراسر خسران اور ذلت و خواری ہے جیسا کہ واضح طور پر بتلا دیا گیا ہے۔

والعصر ٥ان الانسان لفی خسر ١٥ لاالذين امنوا وعملواالصلحت

وتواصوا بالحق٥ وتواصوا بالصبر ٥ (سورہ عصر) ۔

''قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارے میں ہے مگر جولوگ ایمان لائے اورانہوں
نے اچھے کام کئے۔اورایک دوسرے کوحق کی فہمائش کرتے رہےاورایک دوسرے
کوپابندی کی فہمائش کرتے رہے۔''

ہمارے اسلاف عزت کے منتہا کو پہنچے ہوئے تھےاورہم انتہائی ذلت وخواری میں مبتلا ہیں پس معلوم ہوا کہ وہ کمال ایمان سے متصف تھےاورہم اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں جیسا کہ مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے۔

سیاتی علی الناس زمان لایقٰی من الاسلام الااسمه ولا من القراٰن الارسمه۔
(مشکوۃ)

''یعنی قریب ہی ایسازمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کاصرف نام باقی رہ جائے گا۔
اورقرآن کےصرف نقوش رہ جائیں گے۔''

اب غورطلب امر یہ ہے کہ اگر واقعی ہم اس حقیقی اسلام سے محروم ہوگئے جوخدااور رسولؐ کے یہاں مطلوب ہےاورجس کےساتھ ہمارے دین ودنیا کی فلاح وبہبودوابستہ ہےتو کیاذریعہ ہے جس سے وہ کھوئی ہوئی نعمت واپس آئے؟ اوروہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے روح اسلام ہم سے نکال لی گئی اورہم جسد بے جان رہ گئے۔

جب مصحف آسمانی کی تلاوت کی جاتی ہےاورامت محمدیہ کی فضیلت اور برتری کی علت و غایت ڈھونڈھی جاتی ہےتو معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کوایک اعلیٰ اور برتر کام سپرد کیا گیا تھا جس کی وجہ سے''خیرالامم'' کامعزز خطاب اس کوعطا کیا گیا۔

دنیا کی پیدائش کا مقصداصلی خداوحدہ لاشریک لہ کی ذات وصفات کی معرفت ہےاور یہ اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک بنی نوع انسان کو برائیوں اور گندگیوں سے پاک کرکے بھلائیوں اورخوبیوں کےساتھ آراستہ نہ کیاجائے۔اسی مقصد کے لئے ہزاروں رسول اور نبی بھیجے گئے

اورآخر میں اس مقصد کی تکمیل کے لئے سیدالانبیاوالمرسلین ﷺ کومبعوث فرمایااور الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کامژدہ سنایا گیااب چونکہ مقصد کی تکمیل ہوچکی تھی، ہر بھلائی اور برائی کوکھول کھول کر بیان کردیا گیا تھا، ایک مکمل نظام عمل دیا جاچکا تھا، اس لئے رسالت ونبوت کے سلسلہ کوختم کردیا گیااور جوکام پہلے نبی اوررسول سے لیا جاتا تھا، وہ قیامت تک امت محمدؐیہ کے سپرد کردیا گیا۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکروتؤمنون بالله (آل عمران۔ ع۱۲)

''اے امت محمدیہ! تم افضل امت ہوتم کولوگوں کے نفع کے لئے بھیجا گیا ہے تم بھلی باتوں کولوگوں میں پھیلاتے ہواور بری باتوں سے ان کوروکتے ہواوراللہ پر ایمان رکھتے ہو''

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیرویامرون بالمعروف وینهون عن المنکرط واولٰئِك هم المفلحون ٥ (آل عمران ع۱۱)

''اور چاہیے کہ تم میں ایسی جماعت ہوکہ لوگوں کوخیر کی طرف بلائے اور بھلی باتوں کا حکم کرے، اور بری باتوں سے منع کرے اورصرف وہی لوگ فلاح والے ہیں جواس کام کوکرتے ہیں۔''

پہلی آیت میں ''خیرامم'' ہونے کی وجہ یہ بتلاتی کہ تم بھلائی کو پھیلاتے ہواور برائی سے روکتے ہو۔ دوسری آیت میں حصر کے ساتھ فرمادیا کہ فلاح وبہبودصرف انہی لوگوں کیلئے ہے جواس کام کوانجام دے رہے ہیں اسی پر بس نہیں بلکہ دوسری جگہ صاف طور پر بیان کردیا گیا کہ اس کام کوانجام نہ دینالعنت اور پھٹکار کا موجب ہے۔

لعن الذین کفروا من م بنی اسرائیل علی لسان داود وعیسی ابن مریم ط ذالك بما عصوا وکانوا یعتدون ٥ کانوا لایتنا هون عن

منکر فعلوہ ط لبئس ما کانوا یفعلون ٥ (مائدہ۔ ع ۱۱)

"بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داودؑ اور عیسٰی بن مریمؑ کی زبان سے یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انھوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے جو برا کام انھوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے واقعی ان کا یہ فعل بے شک برا تھا۔"

اس آخری آیت کی مزید وضاحت احادیث ذیل سے ہوتی ہے۔

(۱) وفی السنن والمسند من حدیث عبداللہ بن مسعود قال: قال رسول اللہؐ ان من کان قبلکم کان اذا عمل العامل فیھم بالخطیئۃ جاء ہ الناھی تعزیرا فقال یا ھذا اتق اللہ فاِذا کان من الغد جالسہ واکلہ وشاربہ کانہ لم یر ہ علیٰ خطیئۃ بالامس فلمارایٰ عز وجل ذلك منھم ضرب قلوب بعضھم علیٰ بعض ثم لعنھم علیٰ لسان نبیھم داود وعیسی بن مریم ذالك بما عصوا وکانوایعتدون والذی نفس محمد بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتاخذن علیٰ ید السفیہ ولتاطرنَّ علیٰ الحق اطرًا اولیضر بن اللہ قلوب بعضکم علیٰ بعض ثم یلعنکم کمالعنھم۔

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! کہ تم سے پہلی امتوں میں جب کوئی خطا کرتا تو روکنے والا اس کو دھمکاتا اور کہتا کہ خدا سے ڈر، پھر اگلے ہی دن اس کے ساتھ اٹھتا، بیٹھتا، کھاتا، پیتا گویا کل اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں جب حق عز وجل نے ان کا یہ برتاؤ دیکھا تو بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ خلط کر دیا اور ان کے نبی داود اور عیسٰی بن مریم علیہما السلام کی زبانی ان پر لعنت کی اور یہ اس لئے کہ انھوں نے خدا کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے تم ضرور

اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو۔ اور چاہیے کہ بیوقوف نادان کا ہاتھ پکڑ واس کو حق بات پر مجبور کرو، ورنہ حق تعالیٰ تمہارے قلوب کو بھی خلط ملط کر دیں گے، اور پھر تم پر بھی لعنت ہوگی جیسا کہ پہلی امتوں پر لعنت ہوئی۔''

(۲) وفی سنن ابی داؤد وابن ماجة عن جریر بن عبدالله قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول مامن رجل یکون فی قوم یعمل فیهم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیه ولا یغیرون الا اصابهم الله بعقابٍ قبل ان یموتوا۔

'' حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ! کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس کو نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ اپنا عذاب بھیج دیتے ہیں یعنی دنیا ہی میں ان کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔''

(۳) وروی الا صبهانی عن انسؓ ان رسول الله ﷺ قال لاتزال لا اله الا الله تنفع من قا لها وترد عنهم العذاب و النقمة ما لم یستخفوابحقها قا لوا یا رسول الله وما الا ستخفاف بحقها قال یظهر العمل بمعاصی الله فلا ینکر ولا یغیر (تر غیب)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمیشہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ اپنے پڑھنے والے کو نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب وبلا دور کرتا ہے۔ جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی نہ برتی جائے صحابہؓ نے عرض کیا ۔اس کے حقوق کی بے پرواہی کیا ہے؟ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کھلے طور پر کی جائے پھر نہ ان کا انکار کیا جائے اور نہ ان کے بند کرنے کی کوشش کی

جائے۔''

(٤) عن عائشة قالت دخل علیَّ النبی ﷺ فعرفت فی وجهه ان قدحضره شئ فتوضا وما کلم احدًا فلصقت بالحجرة استمع مایقول فقعد علی المنبر فحمد الله واثنیٰ علیه وقال یآایها الناس ان الله تعالیٰ یقول لکم مروا با لمعروف وانهوا عن المنکر قبل ان تدعوا فلا اجیب لکم وتسالونی فلا اعطیکم وتستنصرونی فلا انصرکم فما زاد علیهن حتی نزل (ترغیب)

''حضرت عائشہؓ فرمائی ہیں کہ رسول خدا ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے چہرہ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی سے کوئی بات نہیں کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے میں مسجد کی دیوار سے لگ گئی تا کہ کوئی ارشاد ہو اس کو سنوں حضور اقدس ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا! ''لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو مبادا وہ وقت آ جائے کہ تم دعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمھاری مدد نہ کروں ۔حضور اقدسؐ نے صرف یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے اتر گئے۔''

(٥) عن ابی هریرةؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا عظمت امتی الدنیا نزعت منها هیبة الاسلام واذا ترکت الامر بالمعروف والنهی عن المنکر حرمت برکة ا لوحی واذا تسابت

امتی سقطت من عین اللہ (کذافی الدر عن الحکیم الترمذی)

''حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو قابل وقعت وعظمت سمجھنے لگے گی تو اسلام کی وقعت وہیبت ان کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو سب وشتم کرنا اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔''

احادیث مذکورہ پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امر بالمعرف ونہی عن المنکر کو چھوڑنا خدا وحدہ لاشریک لہ کی لعنت اور غضب کا باعث ہے اور جب امۃ محمدیہ اس کام کو چھوڑ دے گی تو سخت مصائب وآلام اور ذلت وخواری میں مبتلا کر دی جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نصرت ومدد سے محروم ہو جائے گی اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ اس نے اپنے فرض منصبی کو نہیں پہچانا اور جس کام کی انجام دہی کی ذمہ دار تھی اس سے غافل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعرف ونہی عن المنکر کو ایمان کا خاصہ اور جزو لازمی قرار دیا اور اس کے چھوڑنے کو ایمان کے ضعف واضمحلال کی علامت بتلایا۔ حدیث ابو سعید خدریؓ میں ہے۔

من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلك اضعف الایمان۔ (مسلم)

یعنی تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھوں سے کام لے کر اس کو دور کرے اور اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے، اور اگر اسکی بھی طاقت نہ پائے تو دل سے اور یہ آخری صورت ایمان کی بڑی کمزوری کا درجہ ہے۔

پس جس طرح آخری درجہ اضعف ایمان کا ہوا، اسی طرح پہلا درجہ کمال دعوت اور کمال ایمان کا ہوا۔ اس سے بھی واضح تر حدیث ابن مسعودؓ کی ہے۔

مامن نبی بعثہ اللہ قبلی الا کان لہ فی امتہٖ حوار یون واصحاب

یاخذون بسنتہٖ ویقتدون بامرہٖ ثم انھا تخلف من بعد ھم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہٖ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہٖ فھو مؤمن ولیس وراء ذٰالك من الایمان حبة خردل (مسلم)

یعنی سنت الٰہی یہ ہے کہ ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت یافتہ یاروں کی ایک جماعت چھوڑ جاتا ہے۔ یہ جماعت نبی کی سنت کو قائم رکھتی ہے اور ٹھیک ٹھیک اس کی پیروی کرتی ہے یعنی شریعت الٰہی کو جس حال اور جس شکل میں نبی چھوڑ گیا ہے اس کو بعینہٖ محفوظ رکھتے ہیں اور اس میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیتے لیکن اس کے بعد شر و فتن کا دور آتا ہے اور ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو طریقہء نبی سے ہٹ جاتے ہیں۔ ان کا فعل ان کے دعوے کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے شریعت نے حکم نہیں دیا۔ سو ایسے لوگوں کے خلاف جس شخص نے قیام حق و سنت کی راہ میں اپنے ہاتھ سے کام لیا وہ مومن ہے، اور جو ایسا نہ کر سکا مگر زبان سے کام لیا وہ بھی مومن ہے اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکا اور دل کے اعتقاد اور نیت کے ثبات کو ان کہ خلاف کام میں لایا وہ بھی مومن ہے لیکن آخری درجہ کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں اس پر ایمان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔ حتی کہ اب رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔

اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو امام غزالیؒ نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

''اس میں کچھ شک نہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں۔ اس کو انجام دینے کے لئے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کرامؑ کو مبعوث فرمایا۔ اگر خدانخواستہ اس کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور اس کے علم و عمل کو ترک کر دیا جائے تو العیاذ باللہ نبوت کا بیکار ہونا لازم آئے گا۔ دیانت جو شرافت انسانی کا خاصہ ہے، مضمحل اور افسردہ ہو جائے گی، کاہلی اور سستی عام ہو جائے گی، گمراہی اور ضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی، جہالت عالمگیر ہو جائے گی تمام کاموں میں خرابی آ جائے گی، آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی،

آبادیاں خراب ہوجائیں گی مخلوق تباہ وبرباد ہوجائے گی اوراس تباہی اور بربادی کی اس وقت خبر ہوگی جب روزمحشر خدائے بالا وبرتر کے سامنے پیشی اور بازپرس ہوگی۔

افسوس صدافسوس! جوخطرہ تھاوہ سامنے آ گیا جو کھٹکا تھا آنکھوں نے دیکھ لیا کان امر الله قدرا مقدورا ٥ فانا لله وانا اليه راجعون ٥

اس سرسبزستون کے علم وعمل کے نشانات مٹ چکے، اس کی حقیقت ورسوم کی برکتیں نیست ونابود ہوگئیں، لوگوں کی تحقیر وتذلیل کا سکہ قلوب پر جم گیا، خدائے پاک کے ساتھ کا قلبی تعلق مٹ چکا اورنفسانی خواہشات کے اتباع میں جانوروں کی طرح بے باک ہوگئے، روئے زمین پر ایسے صادق مومن کا ملنا دشوار وکمیاب ہی نہیں بلکہ معدوم ہوگیا جو اظہارحق کی وجہ سے کسی کی ملامت گوارا کرے۔

اگرکوئی مردمومن اس تباہی اور بربادی کے ازالہ میں سعی کرے اوراس سنت کے احیاء میں کوشش کرے اوراس مبارک بوجھ کو لے کر کھڑا ہواور آستینیں چڑھا کر اس سنت کے زندہ کرنے کیلئے میدان میں آئے تو یقیناً وہ شخص تمام مخلوق میں ایک ممتاز اور نمایاں ہستی کا مالک ہوگا''۔

امام غزالیؒ نے جن الفاظ میں اس کام کی اہمیت اورضرورت کو بیان کیا ہے وہ ہماری تنبیہ اور بیداری کیلئے کافی ہیں۔

ہمارے اس قدراہم فریضہ سے غافل ہونے کی چندوجوہ معلوم ہوتی ہیں:۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس فریضہ کوعلماء کے ساتھ خاص کرلیا حالانکہ خطابات قرآنی عام ہیں جوامۃ محمدیہ کے ہر ہر فرد کوشامل ہیں اورصحابہ کرامؓ اورخیرالقرون کی زندگی اس کے لئے شاہد عدل ہے۔فریضۂ تبلیغ اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کوعلماء کے ساتھ خاص کرلینا اور پھران کے بھروسہ پراس اہم کام کوچھوڑ دینا ہماری سخت نادانی ہے۔علماء کا کام راہ حق بتلانا اورسیدھا راستہ دکھلانا ہے، پھراس کے موافق عمل کرنا اورمخلوق خدا کواس پر چلانا یہ دوسرے لوگوں کا کام ہے، اس کی جانب اس حدیث شریف میں تنبیہ کی گئی ہے۔

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته فالامیر الذی علیٰ الناس راع علیهم وهومسئول عنهم والرجل راع علیٰ اهل بیته وهو مسئول عنهم والمراۃ راعیة علیٰ بیت بعلها وولده وهی مسئولة عنهم و العبد راع علیٰ مال سید ہ وهو مسئول عنه فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہٖ۔(بخاری و مسلم)

''بیشک تم سب کے سب نگہبان ہواور تم سب اپنی رعیت کے بارے میں سوال کئے جاؤ گے پس بادشاہ لوگوں پر نگہبان ہے وہ اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد پر نگہبان ہے وہ ان کے بارے میں سوال کی جاوے گی اور غلام اپنے مالک کے مال پر نگہبان ہے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جاوے گا پس تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاوے گا۔''

اور اسی کو واضح طور پر اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قال الدین النصیحة قلنا لمن قال لله ولرسوله ولائمة المسلمین وعامَّتِهم(مسلم)

''حضور اقدسؐ نے فرمایا دین سراسر نصیحت ہے (صحابہؓ نے) عرض کیا کس کے لئے۔ فرمایا اللہ کیلئے اور اللہ کے رسول کیلئے اور مسلمانوں کے مقتداؤں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔''

اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ یہ علماء کا کام ہے تب بھی اس وقت فضاءِ زمانہ کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہر شخص اس کام میں لگ جائے اور اعلاء کلمۃ اللہ اور حفاظت دین متین کیلئے کمر بستہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ کہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر ہم خود اپنے ایمان میں پختہ ہیں تو دوسروں

کی گمراہی ہمارے لئے نقصان دہ نہیں جیسا کہ اس آیت شریفہ کا مفہوم ہے۔

یایھا الذین امنوا علیکم انفسکم ج لا یضرکم من ضل اذا اھتد یتم ط

(مائدہ۔ ع ۱٤)

''اے ایمان والو! اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمھارا کوئی نقصان نہیں۔'' (بیان القرآن)

لیکن درحقیقت آیت سے یہ مقصود نہیں جو ظاہر میں سمجھا جارہا ہے اس لئے کہ یہ معنی حکمت خداوندیہ اور تعلیمات شرعیہ کے بالکل خلاف ہیں۔ شریعت اسلامی نے اجتماعی زندگی اور اجتماعی اصلاح اور اجتماعی ترقی کو اصل بتلایا ہے اور امت مسلمہ کو بمنزلہ ایک جسم کے قرار دیا ہے کہ اگر ایک عضو میں درد ہو جائے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بنی نوع انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے اور کمال کو پہنچ جاوے اس میں ایسے لوگوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو سیدھے راستے کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہوں تو آیت میں مومنوں کے لئے تسلی ہے کہ جب تم ہدایت اور صراط مستقیم پر قائم ہو تو تم کو ان لوگوں سے مضرت کا اندیشہ نہیں جنہوں نے بھٹک کر سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔

نیز اصل ہدایت یہ ہے کہ انسان شریعت محمدیہ کو مع تمام احکام کے قبول کرے اور منجملہ احکام خداوندی کے ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے۔

عن ابی بکر الصدیقؓ قال ایھا الناس انکم تقرءون ھٰذہ الایۃ ''یایھا الذین امنوا علیکم انفسکم ج لا یضرکم من ضل اذا ھتد یتم'' ط فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان الناس اذا رء و المنکر فلم یغیروہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقابہ۔

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو تم یہ آیت ''یایھا الذین

امنوا علیکم انفسکم لا یضر کم من ضل اذا اهتد یتم" پیش کرتے ہو اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ خلاف شرع کسی چیز کو دیکھیں اور اس میں تغیر نہ کریں تو قریب ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے عمومی عذاب میں مبتلا فرمادے۔"

علماء محققین نے بھی اس آیت کے یہی معنی لئے ہیں۔امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:۔

علماء محققین کا صحیح مذہب اس آیۃ کے معنی میں یہ ہے کہ جب تم اس چیز کو ادا کردو جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے تو تمھارے غیر کی کوتاہی تمھیں مضرت نہ پہنچائے گی جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ولا تزر وازرۃ وزر اخری اور جب ایسا ہے تو منجملہ ان اشیاء کے جن کا حکم دیا گیا امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے پس جب کسی شخص نے اس حکم کو پورا کردیا اور مخاطب نے اس کی تعمیل نہ کی تو اب ناصح پر کوئی عتاب اور سرزنش نہیں، اس لئے کہ جو کچھ اس کے ذمہ واجب تھا اور وہ امر و نہی ہے اس نے اس کو ادا کر دیا، دوسرے کا قبول کرنا اس کے ذمے نہیں۔واللہ اعلم"۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عوام و خواص، عالم و جاہل ہر شخص اصلاح سے مایوس ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب مسلمانوں کی ترقی اور ان کا عروج ناممکن اور دشوار ہے۔جب کسی شخص کے سامنے کوئی اصلاحی نظام پیش کیا جاتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی اب کیسے ہو سکتی ہے جب کہ ان کے پاس نہ سلطنت و حکومت ہے، نہ مال و زر اور نہ سامان حرب اور نہ مرکزی حیثیت، نہ قوت بازو اور نہ باہمی اتفاق و اتحاد۔

بالخصوص دیندار طبقہ تو بزعم خود یہ طے کر چکا ہے کہ اب چودھویں صدی ہے زمانہ رسالت کو بعد ہو چکا، اب اسلام اور مسلمانوں کا انحطاط ایک لازمی شے ہے پس اس کے لئے جدوجہد کرنا عبث اور بیکار ہے۔یہ صحیح ہے کہ جس قدر مشکوٰۃ نبوت سے بعد ہوتا جائے گا حقیقی اسلام کی شعائیں ماند پڑتی جائیں گی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقاء شریعت اور حفاظت دین محمدی کے لئے جدوجہد اور سعی نہ کی جائے، اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا اور ہمارے اسلاف بھی خدانخواستہ یہی سمجھ لیتے تو آج ہم تک اس دین کے پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی البتہ جب کہ زمانہ ناموافق ہے تو رفتار زمانہ کو

دیکھتے ہوئے زیادہ ہمت اور استقلال کے ساتھ اس کام کو لے کر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔

تعجب ہے کہ جو مذہب سراسر عمل اور جد جہد پر مبنی تھا آج اسکے پیرو عمل سے یکسر خالی ہیں، حالانکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں جگہ جگہ عمل اور جہد کا سبق پڑھایا اور بتلایا ہے کہ ایک عبادت گذار تمام رات نفل پڑھنے والا، دن بھر روزہ رکھنے والا، اللہ اللہ کرنے والا ہرگز اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جو دوسروں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر میں بے چین ہو۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ جہاد فی سبیل اللہ کی تاکید کی اور مجاہد کی فضیلت اور برتری کو نمایاں کیا۔

لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم ط فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القعدین درجۃ ط وکلا وعد اللہ الحسنٰی ط وفضل اللہ المجاھدین علی القعدین اجرا عظیما ہ درجٰت منہ ومغفرۃ ورحمۃ ط وکان اللہ غفورا رحیما ہ (نساء۔ ع ۱۳)

''برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بلند کیا ہے جو اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے اجر عظیم دیا ہے یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت، اور اللہ بڑی مغفرت، رحمت والے ہیں۔''

اگرچہ آیت میں جہاد سے مراد کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا ہے تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو لیکن اگر بدقسمتی سے آج ہم اس سعادت عظمٰی سے محروم ہیں تو اس مقصد کے لئے جس قدر جدو جہد ہماری مقدرت اور استطاعت میں ہے اس میں تو ہرگز کوتاہی

نہ کرنی چاہیئے پھر ہماری یہی معمولی حرکت عمل اور جدو جہد ہمیں کشاں کشاں آگے بڑھائے گی۔ والـذ ین جاهد وا فینا لنهد ینهم سبلنا یعنی جولوگ ہمارے دین کے لئے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دین محمدی کی بقاء اور تحفظ کا حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے لیکن اس کے عروج وترقی کے لے ہمارا عمل اور سعی مطلوب ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کے لئے جس قدر انتھک کوشش کی اسی قدر ثمرات بھی مشاہدہ کئے اور غیبی نصرت سے سرفراز ہوئے۔ ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں اگر اب بھی ہم ان کے نقش قدم پر چلنے کی کشش کریں اور اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام کے لئے کمر بستہ ہو جائیں تو یقیناً ہم بھی نصرت خداوندی اور امداد غیبی سے سرفراز ہوں گے ان تنصروا الله ینصر کم ویثبت اقدا مکم(سورۃ محمد)"یعنی اگر تم خدا کے دین کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمھیں ثابت قدم رکھے گا"۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم خود ان باتوں کے پابند نہیں اور راس منصب کے اہل نہیں تو دوسروں کو کس منہ سے نصیحت کریں لیکن یہ نفس کا صریح دھوکہ ہے۔ جب ایک کام کرنے کا ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہم اس کے مامور ہیں تو پھر ہمیں اس میں پس وپیش کی گنجائش نہیں۔ ہمیں خدا کا حکم سمجھ کر کام شروع کر دینا چاہیے پھر انشاءاللہ یہی جدو جہد ہماری پختگی، استحکام اور استقامت کا باعث ہوگی اور اسی طرح کرتے کرتے ایک دن تقرب خداوندی کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔ یہ ناممکن اور اور محال ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کام میں جدو جہد کریں اور وہ رحمٰن ورحیم ہماری طرف نظر کرم نہ فرمائے میرے اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

عن انسؓ یا رسول الله لانامر بالمعرف حتی نعمل به کله ولا ننهیٰ عن المنکر حتی نجتنبه کله فقال صلی الله علیه وسلم بل مروا بالمعروف وان لم تعملوا به کله وانهوا عن المنکرو ان لم تجتنبوه کله۔ (رواه الطبرانی فی الصغیر الاوسط)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک خود تمام برائیوں سے نہ بچیں حضور اقدس نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگر چہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگر چہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔''

پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ جگہ جگہ مدارس دینیہ کا قائم ہونا، علماء کا وعظ ونصیحت کرنا، خانقاہوں کا آباد ہونا، مذہبی کتابوں کا تصنیف ہونا، رسالوں کا جاری ہونا، یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے شعبے ہیں اور ان کے ذریعہ اس فریضہ کی ادائیگی ہورہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان سب اداروں کا قیام اور بقاء بہت ضروری ہے اور ان کی جانب اعتناء اہم امور سے ہے اس لئے کہ دین کی جو کچھ تھوڑی بہت جھلک دکھائی دے رہی ہے وہ انہی اداروں کے مبارک آثار ہیں، لیکن پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو ہماری موجودہ ضرورت کے لئے یہ ادارے کافی نہیں اور ان پر اکتفاء کرنا ہماری کھلی غلطی ہے اس لئے کہ ان اداروں سے ہم اس وقت منتفع ہوسکتے ہیں جب ہم میں دین کا شوق اور طلب ہو اور مذہب کی وقعت اور عظمت ہو۔ اب سے پچاس سال پہلے ہم میں شوق وطلب موجود تھا اور ایمانی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اس لئے ان اداروں کا قیام ہمارے لئے کافی تھا لیکن آج غیر اقوام کی انتھک کوششوں نے ہمارے اسلامی جذبات بالکل فنا کر دیئے اور طلب ورغبت کے بجائے آج ہم مذہب سے متنفر اور بیزار نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم مستقل کوئی تحریک ایسی شروع کریں جس سے عوام میں دین کے ساتھ تعلق اور شوق ورغبت پیدا ہو اور ان کے سوئے ہوئے جذبات بیدار ہوں، پھر ہم ان اداروں سے ان کی شان کے مطابق منتفع ہوسکتے ہیں۔ ورنہ اگر اسی طرح دین سے بے رغبتی اور بے اعتنائی بڑھتی گئی، تو ان اداروں سے انتفاع تو درکنار ان کا بقا بھی دشوار نظر آتا ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اس کام کو لے کر دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو وہ بری طرح پیش آتے ہیں اور سختی سے جواب دیتے ہیں اور ہماری توہین وتذلیل کرتے ہیں، لیکن ہمیں معلوم

ہونا چاہئے کہ یہ کام انبیاء کرامؑ کی نیابت ہے اور ان مصائب اور مشقتوں میں مبتلا ہونا اس کام کا خاصہ ہے اور یہ سب مصائب وتکالیف بلکہ اس سے بھی زائد انبیاء کرامؑ نے اس راہ میں برداشت کیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولقد ارسلنا من قبلك فی شیع الاولین ٥ وما یاتیهم من رسول

الا کانوا به یستهزء ون ٥ (حجر ع١)

''ہم بھیج چکے ہیں رسول تم سے پہلے اگلے لوگوں کے گروہوں میں اور ان کے پاس

کوئی رسول نہیں آیا تھا مگر یہ اس کی ہنسی اڑاتے رہے۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ دعوت حق کی راہ میں جس قدر مجھ کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا ہے کسی نبی اور رسول کو نہیں کیا گیا۔

پس جب سردار دو عالم اور ہمارے آقا و مولیٰ نے ان مصائب اور مشقتوں کو تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کیا تو ہم بھی ان کے پیرو ہیں اور انہی کا کام لے کر کھڑے ہوئے ہیں ہمیں بھی ان مصائب سے پریشان نہ ہونا چاہئے اور تحمل اور بردباری کے ساتھ ان کو برداشت کرنا چاہئے۔

ماسبق سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ ہمارا اصل مرض روح اسلامی اور حقیقت ایمانی کا ضعف اور اضمحلال ہے۔ ہمارے اسلامی جذبات فنا ہو چکے اور ہماری ایمانی قوت زائل ہو چکی اور جب اصل شے میں انحطاط آ گیا تو اس کے ساتھ جتنی خوبیاں اور بھلائیاں وابستہ تھیں اس کا انحطاط پذیر ہونا بھی لابدی اور ضروری تھا اور اس ضعف وانحطاط کا سبب اس اصل شے کا چھوڑ دینا ہے جس پر تمام دین کا بقا اور دارومدار ہے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے افراد خوبیوں اور کمالات سے آراستہ نہ ہوں۔

پس ہمارا علاج صرف یہ ہے کہ ہم فریضۂ تبلیغ کو ایسی طرح لے کر کھڑے ہوں جس سے ہم میں قوت ایمانی بڑھے اور اسلامی جذبات ابھریں ہم خدا اور رسول کو پہچانیں اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہوں اور اس کے لئے ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو سیدالانبیاء والمرسلین نے مشرکین عرب کی اصلاح کے لئے اختیار فرمایا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃحسنۃ (احزاب۳)

''بے شک تمھارے لئے رسول اللہ میں اچھی پیروی ہے۔''

اسی کی جانب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اشارہ فرماتے ہیں لن یصلح اٰخر ھٰذہ الامۃ الا ما اصلح اولھا۔ یعنی اس امۃ محمدیہ کے آخر میں آنے والے لوگوں کی ہرگز اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس نے ابتداء میں اصلاح کی ہے۔

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت حق لے کر کھڑے ہوئے، آپ تنہا تھے۔ کوئی آپ کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا، دنیوی کوئی طاقت آپ کو حاصل نہ تھی۔ آپ کی قوم میں خودسری اور خودرائی انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی تھی، ان میں سے کوئی حق بات سننے اور اطاعت کرنے پر آمادہ نہ تھا بالخصوص جس کلمہ حق کی آپ تبلیغ کرنے کھڑے ہوئے تھے اس سے تمام قوم کے قلوب متنفر اور بیزار تھے، ان حالات میں کونسی طاقت تھی جس سے ایک مفلس و نادار، بے یار و مددگار انسان نے تمام قوم کو اپنی طرف کھینچا۔ اب غور کیجئے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کی طرف آپ نے مخلوق کو بلایا اور جس شخص نے اس چیز کو پالیا وہ پھر ہمیشہ کے لئے آپ کا ہو رہا۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ صرف ایک سبق تھا ۔ جو آپ کا مطمح نظر اور مقصود اصلی تھا جس کو آپ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

الانعبد الا اللہ ولانشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ ط (اٰل عمران ع۷)

''بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔''

اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا ہر شے کی عبادت اور اطاعت اور فرماں برداری کی ممانعت کی اور اغیار کے تمام بندھنوں اور علاقوں کو توڑ کر ایک نظام عمل مقرر کر دیا اور بتلا دیا کہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف رخ نہ کرنا۔

اتبعوا مآ انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیآء ط (اعراف ۔ ع۱)

''تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے
اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کا اتباع مت کرو۔''

یہی وہ اصل تعلیم تھی جس کی اشاعت کا آپ کو حکم دیا گیا۔

ادع الیٰ سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجاد
لهم بالتی هی احسن ط ان ربك هو اعلم بمن ضل عن
سبیلهٖ وهو اعلم بالمهتدین ٥ (نحل ع١٦)

''اے محمد! بلاؤ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور نیک نصیحت
سے اور ان کے ساتھ بحث کرو جس طرح بہتر ہو، بیشک تمہارا رب ہی خوب جانتا
ہے اس شخص کو جو گمراہ ہوا اس کی راہ سے، وہی خوب جانتا ہے راہ چلنے والوں کو۔''

اور یہی وہ شاہراہ تھی جو آپ کے لئے اور آپ کے ہر پیرو کے لئے مقرر کی گئی۔

قل هٰذه سبیلی ادعوا الی الله علیٰ بصیرة انا ومن اتبعنی ط
وسبحان الله وما انا من المشركین ٥ (یوسف۔ ع١٢)

''کہہ دو یہ ہے میرا راستہ، بلاتا ہوں اللہ کیطرف سمجھ بوجھ کر، میں اور جتنے
میرے تابع ہیں وہ بھی، اور اللہ پاک ہے، اور میں شریک کرنے والوں میں
سے نہیں ہوں۔''

ومن احسن قولا ممن دعآ الی اللهوعمل صالحا و قال اننی
من المسلمین ٥ (حٰم سجدہ۔ ع٤)

''اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل
اور کہے میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔''

پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی مخلوق کو بلانا، بھٹکے ہوؤں کو راہ حق دکھلانا، گمراہوں کو
ہدایت کا راستہ دکھلانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وظیفہ حیات اور آپ کا مقصد اصلی تھا اور اسی مقصد

کی نشو ونما اور آبیاری کے لئے ہزاروں نبی اور رسول بھیجے گئے۔

ومآ ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحیٓ الیه انه لآ اله الآ

انا فاعبد ون ۵ (الانبیاء۔ ع۲)

''اور ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول مگر اس کی جانب یہی وحی بھیجتے تھے

کہ کوئی معبود نہیں بجز میرے، پس میری بندگی کرو۔''

نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ اور دیگر انبیاء کرام کے مقدس لمحات زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مقصد اور نصب العین صرف ایک ہے، اور وہ اللہ رب العالمین وحدہ لاشریک لہ کی ذات وصفات کا یقین کرنا، یہی ایمان اور اسلام کا مفہوم ہے اور اسی لئے انسان کو دنیا میں بھیجا گیا۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۵ یعنی ہم نے جنات اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ بندہ بن کر زندگی بسر کریں۔ اب جب کہ مقصد زندگی واضح ہو گیا اور اصل مرض اور اس کے معالجہ کی نوعیت معلوم ہوگئی تو طریق علاج کی تجویز میں زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی اور اس نظریے کے ماتحت جو بھی علاج کا طریقہ اختیار کیا جائے گا انشاءاللہ نافع اور سودمند ہوگا۔

قرب الٰہی کے دو راستے

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

اہل ایمان کے لئے تقرب الی اللہ اور دینی و روحانی ترقی کے دو طریقے اور دو راستے ہیں۔ جو ہمیشہ سے کھلے ہوئے ہیں اور بندگان خدا ہر زمانہ میں کم و بیش ان ہی پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتے رہے ہیں۔

ایک طریقہ تو یہ ہے آدمی اپنی ہی اصلاح و ترقی اور اپنے ہی نفس کے تزکیہ و تحلیہ میں زیادہ سے زیادہ ساعی رہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور معصیات و مکروہات سے اپنے نفس کی حفاظت کا بیش از بیش اہتمام کرتے ہوئے جس قدر بھی ممکن ہو نفلی عبادات و قربات روزہ و نماز اور ذکر و فکر وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہے۔ بعض ائمہ محققین کی اصطلاح کے مطابق اس طریقہ کو ''قرب بالنوافل'' کہا جا سکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور معصیات و مکروہات سے پرہیز گاری کا اہتمام کرتے ہوئے اور اوقات میں گنجائش کے مطابق نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر میں بھی خاص اشغال رکھتے ہوئے اپنا زیادہ وقت اخلاص نیت کے ساتھ (یعنی محض رضاء الٰہی اور اجر اخروی کو مطمح نظر بنا کر) دوسرے بندگان خدا کی اصلاح و ہدایت، تعلیم و تربیت اور تبلیغ و نصیحت جیسے کاموں میں اور اعلاء کلمۃ الحق و احیاء شریعت کی کوششوں میں صرف کیا جائے۔

اس طریقہ کو ''قرب بالفرائض'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور اگرچہ اسلام کے قرون اولیٰ میں سالکین رضا اور طالبین قرب مولیٰ کے لئے یہی عام شاہراہ تھی۔ لیکن بعد کے زمانوں میں خاص اسباب کی وجہ سے اس راہ پر چلنے والوں کی کثرت نہیں رہی بلکہ معاملہ معکوس ہو گیا۔ یعنی اہل

سلوک کے مختلف حلقوں میں زیادہ تر پہلے ہی طریقہ کو اختیار کیا گیا اور اس سے بھی بڑا اور افسوسناک ذہنی تغیر یہ ہوا کہ بہت سے خانقاہی دائروں میں سلوک الی اللہ اور تقرب خداوندی کو صرف اسی پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) ہی میں منحصر بھی سمجھا جانے لگا۔ اور ان لوگوں کے خیال میں روحانی و دینی کمال صرف قرب بالنوافل ہی کا نام رہ گیا۔

مختلف زمانوں میں مصلحین و مجددین نے اس غلط خیالی کو محسوس کر کے اس کی اصلاح کی کوششیں بھی کیں لیکن پھر بھی بہت سے خاص و عام حلقوں میں یہ غلط فہمی اب تک چلی آ رہی ہے۔(۱) جس کا افسوسناک اور نہایت مضرت رساں نتیجہ یہ ہے کہ امت کی عمومی تعلیم و تربیت، اصلاح و دعوت اور اقامت دین و احیاء شریعت کا وہ اہم بنیادی کام جو دینی نظام کے لئے گویا ریڑھ کی ہڈی ہے اور دین کی سرسبزی و شادابی جس پر موقوف ہے اور بلاشبہ جس کا اجر اور درجہ بھی اللہ کے نزدیک صرف نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر میں مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے۔ آج ان عام و خاص حلقوں میں وہ ایک عمومی قسم کا اور معمولی درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے اور دینی و روحانی ترقی کے طالب اور قرب خداوندی کے جو یا اپنے اس سفر میں اور اس مقصد کے لئے اس راہ سے چلنے اور اپنے اوقات اور اپنی ہمتوں کو اس رخ پر لگانے کا ارادہ بھی نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ میدان اصحاب ہمت و عزیمت سے خالی اور یہ بازار سرد پڑا ہوا ہے حالانکہ ''شہسواروں'' کی تگ و تاز کے لئے اصل جولانگاہ اور ''شاہبازوں'' کی پرواز کے لئے اصل فضا یہی تھی۔

یہ کیوں ہے؟ اور یہ عام و خاص حلقے اس غلط فہمی اور غلط عملی کیوں مبتلا ہوئے اور کیوں اب تک مبتلا ہیں؟ اگرچہ یہ سوال اور اس کا جواب آج کے ہمارے موضوع سے خارج ہے تاہم اصل مدعا ہی کو سلجھانے کی خاطر اس بارہ میں اتنا عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک

---

(۱) گزشتہ صدیوں میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اور ان کے بعد ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امیر المومنین سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے اس غلطی کی اصلاح کی طرف خاص اور مستقل توجہ فرمائی جیسا کہ ''مکتوبات امام ربانی'' اور ''صراط مستقیم'' کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔

عوام الناس کی غلط فہمی کا تعلق ہے سو اس کی وجہ وجہ تو یہ ہے کہ پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) میں چونکہ سالک عوام کی دنیا سے الگ تھلگ رہ کر ہمہ تن عبادت اور ذکر وفکر میں مشغول رہتا ہے اور مشاغل و نیوی میں پھنسے ہوئے عوام اس طرز زندگی کو بے غد مشکل اور انتہائی درجہ کا غیر معمولی کام سمجھتے ہیں اور اس طرح کی مشکل اور غیر معمولی باتوں ہی سے متاثر ہونا اور ان کی خاص اہمیت و وقعت سمجھنا چونکہ عام انسانوں کا مزاج ہے اس لیے یہ بے چارے اسی طریق کو قرب الٰہی اور خدا رسی کا خاص الخاص راستہ سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس طریق پر چلنے والوں سے خوارق وکشوف وغیرہ کا ظہور بھی نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے بھی خیال عام اسی طریق کو خدارسی کا خاص راستہ اور اسی طرز زندگی کو سب سے بڑا دینی وروحانی کمال سمجھتا ہے۔

رہے اس خیال کے خواص یعنی خود اہل سلوک کے وہ حلقے جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اور سلوک الی اللہ کو اسی طریق میں منحصر سمجھتے ہیں۔ سو اس کی بہت سی وجوہ ہیں۔ جن میں سے ایک عمومی اور اس جگہ قابل ذکر وجہ یہ بھی ہے کہ اس طریق (قرب بالنوافل) میں یکسوئی کے ساتھ کثرت ذکر وفکر سے سالک کے باطن میں ایک گونہ لطافت ونورانیت اور ملاء اعلیٰ سے ایک طرح کی خاص مناسبت وموانست پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنے اندر کچھ آثار وانوار محسوس کرنے لگتا ہے اور بسا اوقات ''احوال وکیفیات'' اور ''مشاہدات وتجلیات'' کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے اور دوسرے طریقہ (قرب بالفرائض) میں چونکہ عوام کے ساتھ بھی اختلاط رہتا ہے اور احوال و کیفیات کا ورود اس میں اس طرح سے عموماً نہیں ہوتا۔ یا بہت کم ہوتا ہے۔ بہرحال پہلے ہی طریقہ کے ساتھ بہت سے اہل سلوک کی خصوصی دلچسپی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے۔

حالانکہ یہ ''احوال وکیفیات'' اور ''مشاہدت وتجلیات'' اس فن کے اکابر وائمہ کے نزدیک کوئی خاص مقصدی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ ان کا درجہ صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مبتدیان راہ سلوک کی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ تاکہ شوق وطلب برابر ترقی پذیر رہے اور سعی وجہد کا قدم آگے بڑھتا رہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مشہور خلیفہ ملا یار محمد بدخشی کو ایک مکتوب میں انہی

''مشاہدات وتجلیات'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی فرمودہ اند

تلك خیالات تربی بها اطفال الطریقة۔''

''شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی نے فرمایا ہے کہ یہ خیالی چیزیں ہوتی ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے۔''

اور ایک دوسرے مکتوب میں جو ملا حاجی محمد لاہوری کے نام ہے ارقام فرماتے ہیں:

''احوال ومواجید وعلوم ومعارف کہ صوفیاراد راثنائے راہ دست مید ہند نہ از مقاصد اند بل اوہام وخیالات تربیٰ بہا اطفال الطریقۃ (۱) (مکتوب نمبر ۳۶)

''جو احوال ومواجید اور علوم ومعارف صوفیہ پر اثناء سلوک میں وارد ہوتے ہیں وہ مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ اوہام وخیالات کے قبیل کی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کو تربیت دی جاتی ہے۔''

بہر حال یہ انوار وتجلیات اور یہ احوال وکیفیات جن کا ورود ''قرب بالنوافل'' کے راستہ سے چلنے والے بہت سے سالکوں پر ہوتا ہے اگر چہ وسیلہء تربیت اور ذریعہ ترقی ہونے کی حیثیت سے قابل شکر انعامات الٰہیہ ہیں، تاہم نہ یہ خود مقصود ومطلوب، میں اور نہ ایسی دولت، میں جس کے لئے ''قرب بالفرائض'' کا راستہ چھوڑ کر ''قرب بالنوافل'' ہی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

حضرت امام ربانیؒ ایک مکتوب میں خاص اپنے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

''ایں فقیر از نقد وقت خود می نوید کہ مدتہا از علوم ومعاف واز احوال ومقامات دررنگ ابر نیساں ریختند وکارے کہ باید کرد بعدایت اللہ سبحانہٗ کردند۔ والحال

---

(۱) حضرت مجدد کی ان عبارات کا مطلب یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ''احوال وکیفیات'' اور ''مشاہدات وتجلیات'' شیطانی قسم کے وساوس واوہام ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے (جیسا کہ خود حضرت مجدد ہی نے اسی مکتوب میں آگے چل کر وضاحت فرمائی ہے یہ بھی ایک درجہ میں انعامات الٰہیہ ہیں

اور سالک کو ان سے بہت کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے بشرطیکہ ان سے ہمت افزائی ہی کا کام لیا جائے اور سالک انہی کو مقصود و منتہا سمجھ کر ان میں پھنس کر نہ رہ جائے۔

آرزوے نہ ماندہ است الا آں کہ احیائے سنت از سنن مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نمودہ آید و احوال و مواجید ارباب ذوق را مسلم باشد''

(مکتوب ۳۷ جلد ۱)

''یہ فقیر خود اپنی حالت لکھتا ہے کہ مدتوں علوم و معارف اور احوال و مقامات ابر نیساں کی طرح برسے اور ان کا جو نتیجہ نکلنا چاہیے تھا اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ پورا ہوا اور اب اس کے سوا کوئی ارمان اور آرزو نہیں رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کا احیاء کیا جائے اور اس کو رواج دیا جائے اور احوال و مواجید ارباب ذوق کو مبارک ہوں۔''

قرب بالفرائض کی ترجیح وفضیلت کے وجوہ

''قرب بالفرائض'' کے طریقہ اور اس سلسلہ کے مشاغل (مثلاً خدا فراموش انسانوں میں تبلیغ و دعوت، جاہلوں ناواقفوں کی تعلیم و تربیت اور اقامت دین و احیاء شریعت کے لئے جد و جہد وغیرہ) کو ''قرب بالنوافل'' کے طریقہ کے مقابلہ میں ترجیح وفضیلت کی یہ وجہ تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے خاص مشاغل و وظائف ہیں۔ اور حضرات انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) خاص انہی کاموں کے لئے مبعوث ہوتے ہیں۔ پس اپنی قوتوں اور اپنی ہمتوں کو انہی کے طریقے پر اخلاص و احتساب کے ساتھ ان کاموں میں لگانا' اور اسی جد و جہد کو اپنا خاص وظیفہء حیات بنالینا ان مقدس و برگزیدہ ہستیوں کی خاص نیابت بلکہ ایک طرح سے ان کی رفاقت اور ان کے مقصد' ان کی فکر اور ان کے درد میں شرکت ہے اور ایک غیر نبی کے لئے اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔

علاوہ ازیں اس طریقہ کا فیض متعدی ہے کہ اس راہ کا چلنے والا اپنی اصلاح و تکمیل کے ساتھ ساتھ اور سینکڑوں ہزاروں بندگان خدا کی اصلاح و ہدایت کا بھی ذریعہ بنتا ہے اور اس واسطے

من دل علی خیر فله مثل اجر فاعله (مسلم)

''جو شخص کسی آدمی کو کسی نیکی کی طرف راہ نمائی کرے تو اس شخص کو اس نیکی کے کرنے والے ہی کے برابر الگ ثواب ملے گا۔''

کے مطابق سینکڑوں ہزاروں انسانوں کے بے حساب وشمار اعمال خیر کے بھی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

نیز یہاں یہ بھی نکتہ خاص طور سے ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ ''قرب بالنوافل'' کے طریق میں زیادہ سے زیادہ محنت ومجاہدہ کرنے والے اپنے گنے چنے فرائض کے علاوہ صرف اپنی نفلی عبادات وقربات ہی کا سرمایہ جمع کر سکتے ہیں لیکن ''قرب بالفرائض'' کی راہ پر چلنے والے چونکہ سینکڑوں انسانوں کو ان کے بنیادی فرائض کی تبلیغ وتلقین کرتے اور تعلیم دیتے ہیں اس لیے ان کے حساب میں اپنے ذاتی فرائض ونوافل کے علاوہ ان سینکڑوں آدمیوں کے فرائض (اور نوافل) کا بھی اجر لکھا جاتا ہے اور یہ معلوم ومسلم حقیقت ہے کہ فرائض کا اجر نوافل سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اور نفس ایمان واسلام کا درجہ تو یقیناً فرائض ونوافل سب سے زیادہ ہے پس اللہ کا جو بندہ ''قرب بالفرائض'' کی راہ اختیار کر کے خدا اور رسول سے بیگانہ اور حقیقت ایمان واسلام سے ناآشنا قسم کے جاہلوں اور غافلوں میں تبلیغ کر کے اور ان کو تعلیم وتربیت دے کے دین سے آشنا کرتا ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ اس میں نامہء اعمال میں ان لوگوں کے نفس ایمان واسلام کا اجر بھی لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ کے سوا کوئی نہیں، جو اس اجر بے حساب کا حساب بھی لگا سکے۔

نیز ''قرب بالنوافل'' کے طریق میں صرف اپنی زندگی تک ترقی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جہاں موت نے روح کو جسم سے الگ کیا اور سلسلہء عمل ختم ہوا، ترقی بھی ختم ہو جاتی ہے، مگر ''قرب بالفرائض'' کی راہ میں جب تک اس کے دینی وعلمی فیض کا سلسلہ جاری رہے (خواہ وہ واسطہ در واسطہ کی شکل میں قیامت تک ہی جاری رہے) برابر اعمال نامہ میں اندراج ہوتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے درجات میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیح میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

اور قطع نظر ان تفصیلات سے، سب سے اہم بات وہی ہے جو پہلے عرض کی گئی ہے کہ ''قرب بالفرائض'' کا یہ راستہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے خواص اصحاب وحواریین کا راستہ ہے۔ اور اس کے مشاغل (تعلیم وتعلم، دعوت وتبلیغ، اصلاح وارشاد اور اقامت دین واحیاء شریعت کی کوشش وغیرہ) ان حضرات کے خاص مشاغل ہیں۔ پس اس طریق کو اختیار کرنے والے اور ان کاموں کو سنبھالنے والے بلاشبہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کے اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی خلفاء ہیں۔ اگرچہ سیاسی نظام اور سیاسی طاقت والی خلافت ظاہرہ ان کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اصل امانت نبویؐ کی حفاظت اور تبلیغ ودعوت اور ماننے والوں کی تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کا کام بھی بلاشبہ ایک طرح کی خلافت نبوت ہی ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مقصدی اہمیت اس کو زیادہ حاصل ہے اور بروجہ احسن اور وسیع پیمانہ پر انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے ''خلافت ظاہرہ'' مقصود ہوتی ہے۔

> ''نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی غیر سیاسی خلافت (حضرت شاہ ولی اللہ کی اصطلاح کے مطابق 'خلافت باطنہ') اگر ایک مرکز اور نظام کے ساتھ ہو تو ''خلافت ظاہرہ'' تک بھی پہنچا دیتی ہے۔ ''استخلاف فی الارض'' اور ''تمکین دینی'' کا انعام انہی فرائض اور انہی خدمات کی انجام دہی پر مرتب ہوتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور یہی اس کی سنت ازلیہ ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے کہ ''خلافت نبوت'' کے قیام کا صحیح راستہ صرف یہی ہے اور اس طریقہ اور اس ترتیب کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں پر جدوجہد کرنے سے اگرچہ ''اپنی حکومت'' قائم کی جا سکتی ہے لیکن خلافت نبوت قائم نہیں ہو سکتی۔'' (والتفصیل لایسعہ المقام)

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ورنہ عرض کرنا یہی تھا کہ ''قرب بالفرائض'' کی شان بہت ارفع واعلیٰ ہے اور اس کے مشاغل، تبلیغ ودعوت، تعلیم وتربیت اصلاح وارشاد اور اقامت دین واحیاء شریعت کے لئے جدوجہد وغیرہ کا درجہ اور اجر نفلی عبادات وقربات اور ذکر وفکر، ہی میں مشغول ومنہمک رہنے سے یقیناً بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً اس دور میں تو اس طریقہ اور ان مشاغل کی اہمیت

اس لیے اور بھی زیادہ ہوگئی ہے کہ یہ زمانہ ہی عوامی تحریکات اور عمومی جمہوری دعوتوں کا ہے اور مختلف مادی اور لادینی تحریکیں بے حد تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی عوام کو اپنی طرف جذب کرتی جارہی ہیں۔ ایسے وقت میں بھی اگر دین کی دعوت، دینی تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کی جدوجہد وسیع پیمانے پر اور عوامی تحریک کے رنگ میں نہیں کی گئی اور اللہ کے وفادار اور اس کی رضا کے طلب گار بندے خدمت دین کے اس عمومی میدان میں نہ اترے تو دین کی امانت کا بس اللہ ہی حافظ ہے۔

امام ابواسحاق اسفرائینی کا پرجوش اور ولولہ انگیز پیغام رہ رہ کر یاد آتا ہے۔ ان کے زمانے میں جب عام مسلمانوں کا دین وایمان بعض خاص گمراہانہ فتنوں کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گیا تو آپ اپنے عہد کے بعض ان اکابر ومشائخ کے پاس پہنچے جو دنیا ومافیہا سے یکسو ہوکر پہاڑوں کے غاروں میں عبادت ومجاہدہ میں مصروف تھے اور کہا (اللہ اکبر کیسے درد سے کہا).....

اکلة الحشیش انتم ههنا وامة محمد صلی الله علیه وسلم فی الفتن۔

''جنگل کی سوکھی گھاس پر گزرہ کرنے والو! تم یہاں ہو اور رسول اللہ ﷺ کی امت گمراہیوں میں مبتلا ہورہی ہے''

الغرض یہ کام یعنی مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت اور جاہلوں ناواقفوں کی دینی تعلیم وتربیت اور غافلوں، ناآشناؤں کو تبلیغ ودعوت کا کام اگرچہ ہر وقت اور ہر حال میں بہت بڑا اور بہت اہم کام ہے اور جیسا کہ تفصیل سے اوپر عرض کیا گیا۔ عنداللہ اس کا درجہ بہت اعلیٰ وارفع ہے اور امتیوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی کمال اور ترقی کا کوئی مقام نہیں ہے۔ بقول حضرت مجددؒ:

''ہیچ کمالے برتبہ دعوت وتبلیغ نہ رسد۔

فان احب عباد الله الی الله من حبب الله الیٰ عباده وحبب عباد الله الی الله وهو الداعی والمبلغ۔''

(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۵۷، ج ۲)

''کوئی کمال دعوت وتبلیغ کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کو اس کے بندوں کا محبوب بنادے اور بندوں کو اللہ کا محبوب بنادے اور وہ داعی اور مبلغ ہوتا ہے۔''

لیکن بالخصوص ایسے زمانے میں کہ چاروں طرف سے مادیت اور لادینیت کے بادل امنڈ رہے ہوں اور دین سے غفلت و جہالت اور خدا فراموشی کی گھٹائیں نہایت تیزی سے دنیا پر چھائے چلی جارہی ہیں۔ سو ایسے وقت میں تو ان کاموں کی قدر و قیمت اللہ کے یہاں بے حساب بڑھ جاتی ہے۔ حضرت مجددؒ ہی نے کیسی اچھی تمثیل میں فرمایا ہے:

''مثلاً سپاہیان در وقت غلبہ دشمناں واستیلاء مخالفاں اگر اندک تردد می کنند آں قدر نمایاں می شود و اعتبار مے گردد کہ در وقت امن اضعاف آں در خیز اعتبار نمی آید۔'' (مکتوب نمبر ۴۴)

''مثلاً جو سپاہی دشمن کے غلبہ اور مخالفین کے چڑھ آنے کے نازک وقت میں تھوڑی سی بھی وفادارانہ جدوجہد کرتے ہیں وہ ایسا اعتماد اور امتیاز حاصل کر لیتے ہیں کہ عام امن وسکون کے وقت کئی گنا جانفشانی بھی کریں تو وہ اعتماد و اعتبار پیدا نہیں ہوتا۔''

الحاصل ہر زمانہ میں خاص کر ہمارے اس دور میں دینی و روحانی ترقی اور قرب الٰہی ورضائے خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ اور شاہراہ ''قرب بالفرائض'' ہی کا طریقہ ہے اور اس کے مشاغل مثلاً دعوت وتبلیغ، اصلاح وتعلیم اور اقامت دین واحیاء شریعت کے لئے جدوجہد کا درجہ اور اجر یکسوئی کے ساتھ نفلی عبادات اور ذکر ومراقبہ ہی میں منہمک ومشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن ''قرب بالفرائض'' کی ان مشاغل کی یہ امتیازی حیثیت اور ''قرب بالنوافل'' کے مقابلہ میں ان کی یہ عظمت اور فوقیت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کاموں میں اشتغال اخلاص و احتساب اور خشیت وانابت کی صفت کے ساتھ ہو، اگر یہ نہیں ہے تو پھر ساری دوڑ دھوپ اور جدو

جہد ایک بے روح عامیانہ تحریک یا ایک پیشہ اور حرفہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔(اعاذنا اللہ من ذٰلك) اور ان اوصاف (اخلاص واحتساب) کے حاصل ہونے کا عام آزمودہ اور عادتی ذریعہ ان اوصاف والوں کی صحبت ورفاقت اور تنہائیوں کے اوقات میں ذکر وفکر کی کثرت ہے۔ان دونوں چیزوں کے اہتمام کے بغیر اخلاص واحسان جیسی کیفیات کا پیدا ہونا اگر چہ عقلاً ناممکن نہیں لیکن عادتاً دشوار اور اہل تجربہ کی شہادت کے مطابق شاذ ضرور ہے۔

ضروری استدراک

اوپر کی سطروں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ رہے کہ ''قرب بالنوافل'' کے طریقہ کو ہم غلط یا غیر شرعی یا غیر فرضی سمجھتے ہیں، ہرگز نہیں! حاشا ہزار بار حاشا۔ ہماری گزارش کا مدعا تو صرف یہ ہے کہ ''قرب بالفرائض'' کا راستہ قابل ترجیح اور افضل ہے اور خصوصاً ہمارے اس زمانہ کے حالات اور دینی ضروریات کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بندے اس طریق کار کو اختیار کریں اور اپنی ہمتوں کو اسی رخ پر لگائیں۔

نیز ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ فی زمانہ ماحول کے عمومی فساد کی وجہ سے اکثر طبیعتوں کی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ کچھ مدت یک سوئی کے ساتھ ذکر وفکر کے بغیر ان پر اخلاص و احسان کا رنگ بھی نہیں چڑھتا۔سو ایسے حضرات کیلئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ تیاری کے طور پر کچھ دنوں اسی طریق پر چلیں لیکن مطمح نظر دین کی خدمت ونصرت ہی کے مشاغل کو بنائیں۔اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عوامی دعوت وتبلیغ اور عوامی تعلیم و تربیت کا یہ کام جس کی طرف اس مضمون میں میں نے خصوصیت کے ساتھ دعوت دی ہے۔اس سے ہماری مراد خاص متعارف وعظ گوئی نہیں ہے جس کے لئے علم دین کی ایک خاصی مقدار ضروری ہے بلکہ حقیقت دین سے ناآشنا طبقوں میں دین کا صحیح شعور پیدا کرنا اور کم از کم دین کی بنیادی باتوں کی ان کو تعلیم وتلقین کرنا اور اس درجہ کی عملی اصلاح کی کوشش کرنا اس سلسلہ کا ابتدائی

کام ہے جس میں ہر مسلمان اپنی صلاحیت کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ لے سکتا ہے اور اسی کے ساتھ خود بھی تعلیم و تربیت حاصل کر سکتا ہے۔

اب ہم اس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں:

عن الحسن مرسلا سئل رسول الله صلى الله عليه و سلم عن رجلين كان فى بنى اسرائيل احدهما كان عالما يصلى المكتوبة ثم يجلس فيعلم الناس الخير والٰاخر يصوم النهار و يقوم الليل ايهما افضل؟

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فضل هذا العالم الذى يصلى المكتوبة ثم يجلس فيعلم الناس الخير على العابد الذى يصوم النهار ويقوم الليل كفضلى علٰى ادناكم۔

رواہ الدارمی (مشکوٰۃ)

''حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کی بابت سوال کیا جن میں سے ایک دین کا جاننے والا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز پڑھتا اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی باتیں بتاتا اور سکھاتا اور دوسرا ہمیشہ دن کو روزے رکھتا اور رات بھر نوافل پڑھتا (حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص جو فرائض ادا کرتا اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی باتیں بتاتا اور سکھاتا تھا۔ اس قائم اللیل صائم النہار عابد کے مقابلہ میں ایسی فضیلت رکھتا ہے جیسی کہ تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔''

ملحوظ رہے کہ حضور ﷺ کے جواب میں جو تمثیل ہے یہ مقدار فضیلت میں نہیں ہے بلکہ فضیلت کی نوعیت میں تمثیل و تشبیہ ہے۔

ذکرِ کثیر سے کیا مراد ہے؟

انجینئر مختار فاروقی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق کے لئے ذکر کثیر کے اہتمام کا تذکرہ ایک سے زیادہ مرتبہ فرمایا ہے۔مثلاً:-

☆ کَی نسبحك كثيرا و نذ كرك كثيرا(طٰہٰ 34,33)

''تا کہ ہم تیری بہت سی تسبیح کریں اور تجھے کثرت سے یاد کریں''

☆ والشعرآ ء يتبعهم الغاوٗن الم تر انهم فی كل واد

يهيمون وانهم يقولون ما لا يفعلون الا الذين اٰمنوا و

عملوا الصلحٰت وذكروا ا لله كثيرا(الشعراء 224-228)

''شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ

وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں وہ جو کرتے نہیں مگر

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور خدا کو بہت یاد کرتے رہے۔

☆ لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة لمن كان ير

جوا الله واليوم الاخر و ذكر الله كثيرا (الاحزاب 21)

☆ والذاكرين الله كثيرا والذّٰكرات اعد الله لهم مغفرة

واجرا عظيما(الاحزاب 35)۔

☆ يا ٰيها الذين اٰمنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا(الاحزاب41)

☆ وابتغو امن فضل الله واذكرو ا الله كثيرا لعلكم تفلحون

(الجمعة 10)

نیز فرمایا!

☆ و مسجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا (الحج 40)

قرآن مجید میں محولہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل ایمان کا خاص وصف ''ذکر کثیر'' ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس طرح کے اہل ایمان کا بڑا درجہ اور مقام ہے۔ تاہم اصل اہمیت اس کو حاصل ہے کہ ذکر کثیر سے مراد کیا ہے؟ جہاں تک فی نفسہٖ 'ذکر' اور ذکر اللہ کے طریقے، اور ذکر کی اہمیت وفضیلت کا معاملہ ہے اس پر کثیر تعداد میں اہل علم کی تحریریں اور مستقل تصانیف موجود ہیں۔

اس سب کے باوجود عام مروجہ مذہبی ذہن کا المیہ یہ ہے کہ وہ لفظ ذکر سے ''ذکر کرنا'' ہی مراد لے لیتا ہے اور اس وجہ سے مروجہ طریقے، سلاسل اور ذکر خفی و ذکر جلی کی تفصیلات میں سالک کو لے جاتا ہے۔

قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ اللہ کے اسم کے ساتھ ذکر کا لفظ ''کثیر'' کی صفت کے ساتھ آیا ہے۔ سورۃ حج میں ہے کہ (ومسجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا)''اور مساجد کہ اس میں اللہ کے نام کا 'ذکر' کثرت سے کیا جاتا ہے''۔ صاف ظاہر ہے کہ اولاً اللہ کے نام کا ذکر مساجد کے ساتھ اور عبادات سے متعلق کر دیا گیا ہے اور مزید برآں اس آیت میں مساجد کے ساتھ دیگر مذاہب کے عبادت خانوں کو بھی اس قسم کے ذکر کا مرکز گردانا گیا ہے جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ذکر کی ان خاص اشکال کو (جو ان میں سے مسنون و ماثور بھی ہوں) زندگی کے عام اشغال کا ایک قلیل جزو ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

زیادہ تفصیل سے گریز کرتے ہوئے ذکر کثیر کے مفہوم کے تعین کیلئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب 25 (حصہ ششم) کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ جو کہ آنحضرت نے جناب خواجہ محمد شرف الدین صاحب کو تحریر کیا ہے اور جس کا عنوان ہے: ''در بیان آنکہ ہر عملے کہ بروفق

شریعت غرا کردہ آید داخل ذکر است اگر چہ بیع وشریٰ بود''

یعنی یہ خط اس بیان پر مشتمل ہے کہ ہر وہ عمل جو کہ نورانی شریعت کے موافق کیا جائے وہ ذکر میں داخل ہے اگر چہ وہ عمل خرید وفروخت ہی کیوں نہ ہو۔

عنوان ہی سے یہ بات عیاں ہے کہ ذکر سے مراد کیا ہے اور اس صورت میں ذکر کثیر سے کیا مراد ہوگا۔ خط کا متن اور ترجمہ درج ذیل ہے (شاید کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان ہی کے سامنے کچھ لوگ سر تسلیم خم کر کے اسے عملی طور پر قبول کر لیں)

''ایها الو لد ان الفرصة غنيمة و الصحة و الفراغ مغتنمان۔۔۔۔
فينبغى صرف الاوقات الى الذكر الالٰهى جل شانه على الدوام و كل عمل يصدر على و فق الشريعة الغراء فهو داخل فى الذكر و ان كان بيعا و شراء' فينبغى مراعاة الاحكام الشرعية فى جميع الحركات والسكنات لتصير كلها ذكرا' فان الذكر عبارة عن طرد الغفلة' ومتٰى حصلت مراعاة الاومر و النواهى فى جميع الافعال فقد تيسرت النجاة عن اسر الغفلة عن الآمر بالا وامر و الناهى عن المناهى وحصل دوام ذكره تعالىٰ''

''۔۔۔۔اے فرزند فرصت غنیمت ست وصحت وفراغ مغتنم ہموارہ اوقات را بذکر الٰہی جل شانہ مصروف باید ساخت۔ ہر عملے کہ بروفق شریعت غرا کردہ آید داخل ذکر ست اگر چہ بیع وشریٰ بود پس در جمیع حرکات وسکنات مراعات احکام شرعیہ باید نمود تا آنہا ہمہ ذکر گردد چہ ذکر عبارت از طرد غفلت ست وچوں مراعات اوامر ونواہی در جمیع افعال نمودہ آید از غفلت آمر وناہی آنہا نجاتے میسر شود ودوام ذکر او تعالیٰ حاصل گشت''۔

''اے بیٹے (یقیناً) فرصت غنیمت ہے اور تندرستی کے ساتھ فراغت بہت بڑا اثاثہ (خزانہ) ہے۔ (پس) چاہئے کہ (تمام) اوقات کو اللہ جل شانہ کے ذکر میں کھپا دیا جائے (اس لئے کہ) ہر عمل جو کہ نورانی شریعت (شریعت اسلامی) کے موافق کیا جاتا ہے (وہ) ذکر (ہی) میں داخل ہے اگرچہ (وہ عمل بازار اور منڈی میں) خرید وفروخت (ہی کیوں نہ) ہو۔ پس ہر (قسم کے) افعال کی انجام دہی میں احکام شریعت کی پاسداری لازمی ہے تاکہ تمام کام (افعال' حرکات وسکنات) ذکر شمار ہوں۔ (اس لئے) کہ ذکر غفلت کے دور ہونے کا نام ہے۔ اور جب اوامر ونواہی کی پاسداری ہر (قسم کے) افعال میں نمایاں ہوگئی تو (یقیناً اللہ تعالیٰ کی) غفلت سے نجات مل گئی اس لئے کہ اللہ ہی اوامر کا آمر اور نواہی کا ناہی ہے اور (نتیجتاً) اللہ جل شانہ کے دوام ذکر (کی کیفیت اور مرتبہ) حاصل ہوگیا۔

(خط 25' دفتر دوم' حصہ ششم وعربی ترجمہ از المنتخبات' مطبوعہ ترکی)

پس ثابت ہوا کہ ذکر کثیر سے مراد پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی کامل اطاعت ہے۔ یہی ذکر دوام ہے اور یہی ''ادخلوا فی السلم کافة'' کا تقاضا ہے۔ اور اگر راقم ٹھوکر نہیں کھا رہا اللہ اس سے بچائے' آمین!) تو یہی مروجہ سلاسل تصوف اور طریقت کا حاصل اور لب لباب ہے۔

اگرچہ عملی طور پر جو کچھ محسوس ہوتا ہے اور نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان سلاسل سے منسلک افراد کی اکثریت اجتماعی زندگی کے بہت سے معاملات اور جہاد وقتال کے ساتھ نفاذ شریعت مطہرہ اور قیام حدود کو نہ داخل ذکر سمجھتی ہے نہ اس کے لئے جدوجہد کو ضروری۔ اور مزید برآں اس کمی اور کوتاہی کو دوام ذکر کے مرتبے کے حصول کا کوئی عیب اور رخنہ بھی نہیں گردانتی۔

الی اللہ اشتکی الذی ذکرہ علی الالسنة الکثیرة من المسلمین

اور ے

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات!

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوت آیات

اعوذ بالله من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تبارك و تعالیٰ:

یایھاالناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ہ (البقرہ 21)۔

وقال تبارك تعالیٰ:

یایھا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون وجاھدوا فی اللہ حق جھادہٖ ط ھواجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرجٍ ملة ابیکم ابراھیم ھو سمّٰکم المسلمین من قبل و فی ھٰذا لیکون الرسول شھیدا علیکم و تکونوا شھدآءَ علی الناس فاقیمواالصلوٰة واٰتوا الزکٰوة وا عتصموا باللہ ھو مولٰکم فنعم المولیٰ ونعم النصیر (الحج 77، 78)

(صدق اللہ العظیم)

ترجمہ

''لوگوں اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔''

''مومنو! رکوع کرتے اور سجدے کرتے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور نیک کام کرو تا کہ فلاح پاؤ اور خدا (کی راہ) میں جہاد کرو، جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی

نہیں کی (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراھیمؑ کا دین (پسند کیا) اسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا۔ اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو) تا کہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہو اور نماز پڑھو اور زکوۃ دو اور خدا (کے دین کی رسی) کو پکڑے رہو وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔''

حضرات! فرض کا لفظ ہماری ایک دینی اصطلاح ہے۔ اگر چہ قرآن مجید میں مسلمانوں پر کوئی کام لازم کرنے کیلئے کتاب کا لفظ آیا ہے۔ جیسے کتب علیکم الصیام۔ کتب علیکم القصاص۔ کتب علیکم القتال۔ (تم پر روزے فرض کر دیئے گئے، تم پر قصاص فرض کر دیا گیا، تم پر قتال فرض کر دیا گیا)۔ کتاب کے معنی ہیں لکھ دینا۔ فرض بھی عربی کا لفظ ہے اور کتاب بھی عربی کا لفظ ہے۔ اسی طرح ہم بولتے ہیں نماز فرض ہے۔ وضو فرض ہے وضو کی تفصیل میں یہ بات آتی ہے کہ وضو میں چار فرائض ہیں یعنی چہرہ دھونا۔ کہنیوں تک ہاتھ دھونا۔ مسح کرنا اور پاؤں دھونا۔ تو معلوم ہوا کہ فرض کا لفظ کسی چیز کے ضروری اور لازمی ہونے کے لئے ہے۔ اسی معنی میں ہم یہ لفظ اس وقت استعمال کر رہے ہیں۔ کہ ہمارے دینی فرائض کیا ہیں بمعنی کہ ہمارے دین کے بنیادی تقاضے جو ہر مسلمان پر لازمی اور ناگزیر ہیں جن سے کوئی مفر نہیں ہے وہ کون سے ہیں۔ وہ کونسے کام ہیں کہ جو ناگزیر ہیں۔ اس وقت ہم فقہی اصطلاح میں بات نہیں کر رہے بلکہ فرض کے لفظ کو لغوی معنی میں استعمال کر رہے ہیں۔

ہر مسلمان کی تین ذمہ داریاں

دین کے اعتبارے دیکھیں تو ہمارے دین میں قرآن وحدیث کے مطالعے سے جو بات سامنے آتی ہے اور ہر آدمی غور کرے تو اس کا دل گواہی دے گا کہ ہر مسلمان پر دین کے کل تین فرض ہیں۔ بس تین تقاضے ہیں۔ ایک لحاظ سے ان کو دو بھی کہا جا سکتا ہے لیکن سمجھانے کیلئے ہم

کہتے ہیں کہ تین فرض ہیں پہلا فرض اور تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص جو اللہ کو مانتا ہے رسول ﷺ اور قرآن کو مانتا ہے اس کے ذمے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اللہ کا سچا بندہ بنے اس میں بہت ساری باتیں آ جاتی ہیں ہر مسلمان اپنی ذاتی زندگی میں اللہ کا کہنا مانے، اللہ کے دین پر چلے، اگر حالات خراب ہیں، میڈیا خراب ہے، نظام تعلیم خراب ہے، حکومت خراب ہے، امریکہ کا دباؤ ہے، تو بھی آپ اپنی ذات کی حد تک تو کچھ نہ کچھ کر سکتے ہیں پہلا فرض تو یہ ہے۔ دوسرا فرض اور دین کی طرف سے تقاضا یہ ہے کہ ہر آدمی دین کی ان باتوں کا پرچار کرے۔ دین کی باتوں پر اگر آپ خود عمل کر رہے ہیں تو آپ اپنے معاشرے میں اس دین کا پرچار کریں اور آپ کا اپنا گھر ہے، آپ کی برادری ہے، آپ کا محلّہ ہے، آپ کے دوست واحباب ہیں جہاں آپ کام کرتے ہیں۔ بازار، منڈی، دفتر، زمینیں وغیرہ جہاں بھی آپ دوستوں سے مل بیٹھتے ہیں، آنا جانا ہے، ملنا جلنا ہے، گفتگو ہے، وہاں آپ دین کی یہی باتیں بتائیں۔ آپ کے جاننے والوں میں جو لوگ دین پر عمل کر رہے ہیں ان کے ساتھ مل کر کام کریں۔ ان سے معاملات، تجربات Share کریں اور جو دین پر عمل نہیں کر رہے، انہیں بتانا چاہیے کہ یہ کام کرنا چاہیے آپ نماز کیوں نہیں۔ پڑھتے۔ آپ قرآن کیوں نہیں پڑھتے۔ آپ عربی کیوں نہیں سیکھتے۔ آپ دین پر عمل کیوں نہیں کر رہے یہ کام آپ نے دین کے خلاف کیوں کر دیا۔ بھئی ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ توجہ دلاؤ۔ معاشرے میں حیثیت کی بات ہے ظاہر ہے کہ مسلمان وہ بھی ہے جو دیہات میں کہیں رہتا ہے، بھیڑ بکریاں چراتا ہے۔ اس کے بھی تقاضے میں اور ایک ملک کا صدر ہے یا کسی صوبے کا وزیر اعلیٰ ہے، کوئی ایم پی اے ہے، کوئی ایم این اے ہے، کوئی امام مسجد ہے، کوئی پروفیسر ہے، کوئی کسی مسجد کا خطیب ہے، ہر ایک پر اس کی حیثیت کے اعتبار سے ذمہ داریاں ہیں دیہات کے ایک چرواہے کی ذمہ داریاں اور ایک ملک کے صدر کی ذمہ داریاں ایک جیسی نہیں ہیں۔ کہنے کو ایک جیسی ہونگی جیسے اللہ کا بندہ بنے لیکن میدان بڑا وسیع ہے تو دوسرا تقاضا دین کا یہ ہے کہ ہم انہی باتوں کا پرچار کریں اس کو آگے بڑھائیں۔ اس میں دین کی بہت ساری اصطلاحات آ جائیں گی جن کی میں وضاحت کروں گا۔

تیسرا تقاضا ہمارے دین کا جو قرآن وحدیث اور سیرت صحابہؓ میں ہے وہ یہ ہے کہ ہم جس دین پر ایمان لائے ہیں اس کو غالب کرنے کی کوشش کریں۔ کوشش ہمارے ذمے ہے۔ غالب کرنا ہمارے ذمے نہیں ہے۔ جب اللہ کو منظور ہوگا اور اس کے لئے حالات پیدا ہو جائیں گے تو دین غالب ہو جائے گا۔ دین کو غالب کرنے کی کوشش کے ابتدائی مراحل بھی ہو سکتے ہیں۔ آخری مراحل بھی ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مکے میں زندگی گزار رہے تھے تو یہ بہت ابتدائی مراحل تھے، لوگوں کو بتا رہے تھے، انہیں سمجھا رہے تھے، لوگوں کو جمع کرنا، انکی تربیت کرنا، لوگوں کی ذہن سازی کرنا، پھر ہجرت کر کے مدینے آ گئے تو اور آگے بڑھ گئے۔ پھر جنگوں کے معاملات آ گئے۔ پھر صلح کے معاملات آ گئے پھر مکہ فتح ہو گیا۔ پھر اور بہت سے علاقے فتح ہو گئے۔ اس کی بہت سی Stages ہونگی۔ لیکن تیسرا فرض یہ ہے کہ ہم اس دین کو دنیا میں کسی ایک علاقے میں۔ کسی Size able ملک میں غالب کرنے کی کوشش کریں۔ اس لئے کہ کسی کام کا وعظ کہنا اور ہے اور اسے کر کے دکھانا اور ہے آپ سچ کے فضائل بیان کریں تو کتاب لکھی جا سکتی ہے کہ سچ بولنے کے یہ فائدے ہیں۔ لیکن سچ بول کر دکھائیں اور بات ہے۔ آپ اخبار میں سگریٹ کے نقصانات پر مضامین پڑھتے ہیں۔ ان مضامین کو لکھنے والے عین اس وقت سگریٹ پی رہے ہوتے ہیں۔ اس کا اثر نہیں ہوتا۔ اثر تب ہوگا جب آپ عمل کریں۔ تو دین کا ایک نمونہ اپنی ذات میں دکھانا ہے۔ اپنے معاشرے میں دکھانا ہے اور ایک پوری دنیا کو دکھانا ہے کہ جناب یہ ہوتا ہے طرز حکومت۔ اور معاملات اور ریاست۔ اللہ کا دین ایسے نافذ ہوتا ہے اور یہ اس کی برکات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہی کام کر کے دکھایا۔ تو دین کی طرف سے ہم پر یہ تین فرائض ہیں پہلے اپنی ذات میں اللہ کا بندہ بنو پھر اپنے معاشرے میں جہاں میل جول ہے وہاں اس دین کا پرچار کرو۔ ان کو بتاؤ، ان کو پہنچاؤ، لوگ برا بھلا کہیں، یہ کہیں، وہ کہیں، پھر بھی بات پہنچاؤ بات یہی صحیح ہے اللہ کی بات ہے اللہ کے رسول ﷺ کی بات ہے۔ اور تیسرا فرض یہ کہ اس دین کو غالب کرنے کی کوشش کرو۔

پہلا کام ـــــــ بندگیِ رب

اب اس کی تفصیلات ہیں ہمارے دین میں اس کے لئے بہت ساری اصطلاحات ہیں اپنی ذات میں اللہ کا بندہ بننے کے لیے کیا ضروری ہے؟ اس کے لئے تین لفظ تو عام طور پر استعمال ہوتے ہیں چوتھا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے ایک لفظ عبادت ہے اللہ کی عبادت کے متعلق قرآن مجید کی بڑی مشہور آیت ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ٥ (الذٰریات)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر سوائے اس کے کہ وہ میری بندگی کریں، عبادت کریں، تو عبادت کا لفظ عام طور پر کس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنی ذات میں اللہ کا بندہ بننا اسی کے لئے ایک دوسرا لفظ اطاعت استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید بہت دفعہ یہ لفظ آیا ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ۔ اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اس میں بھی یہی ہے کہ اپنی پوری زندگی میں اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو۔ تیسرا لفظ ''اسلام'' استعمال ہوتا ہے۔ اسلام کے معنی کیا ہیں۔ اسلام کے معنی ہوتے ہیں اطاعت کرنا، گردن جھکا دینا Surrender کر دینا۔ قرآن مجید میں کئی جگہ یہ لفظ اطاعت کے معنی میں آیا ہے تو اسلام کے لفظی معنی ہی اطاعت کے ہیں مسلمان کے معنی بھی یہی ہوتے ہیں عبادت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جہاں تک تمہارا اختیار ہے ایک عام آدمی کا بھی بہر حال کوئی گھر ہے، بیوی ہے بچے ہیں، کاروبار ہے، معاملات ہیں، شادی بیاہ ہے، کوئی برادری کا عام آدمی ہے اور کوئی برادری کا سرپنچ ہے، بہر حال جہاں تمہارا اختیار ہے وہاں اللہ کے دین پر عمل کرو اس کے لئے عبادت کا لفظ ہے اسی کیلئے اطاعت کا لفظ ہے اسی کیلئے اسلام کا لفظ ہے اور اسی کے لئے ایک اور لفظ ''تقویٰ'' استعمال ہوتا ہے تقویٰ، ایک منفی لفظ ہے۔ اطاعت کے معنی اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو تقویٰ کے معنی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے بچو۔ جن کاموں سے روکا گیا ہے ان سے رک جاؤ۔ اطاعت کے معنی ہیں کہ جس کام کا حکم دیا گیا ہے جیسے نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، سچ بولو، انہیں کرو گے تو اطاعت ہو جائے گی۔ اور جن باتوں سے اللہ اور اسکے رسول نے روکا ہے۔ جیسے جھوٹ نہ بولو، بے ایمانی نہ کرو، بد دیانتی نہ کرو، کسی کا حق نہ مارو، کسی کو گالی نہ دو، شراب نہ پیو،

جوئے کے قریب نہ جاؤ، یہ تقویٰ ہو جائے گا۔ اللہ کی نافرمانی سے بچنا۔ معنی اس کے بھی وہی بنتے ہیں۔ ایک تصویر کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ اسلام ہے، اطاعت ہے، عبادت ہے دوسرا رخ تقویٰ ہے سلبی انداز سے بات کرنے کا۔ بات ایک ہی ہے گویا کہ قرآن مجید کی چار اصطلاحات اسی بات کو واضح کر رہی ہیں۔ کہ ذاتی زندگی میں جہاں تک تمہارا بس چلتا ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو۔ اس میں کم از کم آدمی تین کام کرے ویسے تو ہر آدمی کہہ سکتا ہے کہ میں کوشش کر رہا ہوں لیکن بڑی مجبوریاں ہیں، یہ مصیبت ہے، یہ مصیبت ہے۔ کوئی مانتا ہی نہیں ہے کیا کریں۔ لیکن تین کام آدمی کرے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے سامنے آج بھی ہم سرخرو ہو سکتے ہیں۔ جب اللہ کے پاس جائیں گے۔ جلد یا بدیر ہر ایک کو جانا ہے۔ تو وہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جب اللہ کے پاس جائیں تو تین کام کرتے ہوئے جائیں گے تو ہم اللہ کو کہہ سکتے ہیں کہ اے اللہ! جب ہم دنیا میں تھے تو حالات بہت خراب تھے۔ بس میں یہ ہی کر سکا۔ مجھے اللہ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائیں گے۔ وہ کیا کام ہیں۔ پہلا یہ کہ اپنی ذات پر اسلام نافذ کرو۔ یہ جو تمہارا چھ، ساڑے چھ فٹ کا قد ہے، کچھ وزن ہے، جسم ہے، وضع۔ قطع، لباس، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، اس پر اسلام نافذ کرو۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام نافذ کر دو۔ ٹھیک ہے باہر آپ کی کوئی نہیں مانتا۔ محلے میں بھی چلو کوئی نہیں مانتا ملک میں بھی آپ کی بات نہیں مانتے۔ لیکن یہ جسم تو آپ کا اپنا ہے۔ اس پر تو آپ ہی کی مرضی چل رہی ہے۔ لہٰذا اس پر اسلام نافذ کرو۔ اس میں کوئی بہانہ نہیں بنا سکتے۔ کرو، کون رکاوٹ بنتا ہے۔ کوئی آدمی سچ بولنے کا فیصلہ کر لے۔ کوئی آدمی دین پر چلنے کا فیصلہ کر لے تو کوئی روک نہیں سکتا، عورت پردہ نہیں کرتی، وہ پردہ کرنے کا فیصلہ کر لے، کوئی نہیں روک سکتا، کوئی نماز پڑھنے کا فیصلہ کر لے۔، اسی طرح کوئی اور کام کرنے کا فیصلہ کر لے، کوئی نہیں روک سکتا، پہلا کام یہ ہے کہ اپنے اس جسم پر اسلام نافذ کر لے۔

دوسرا کام یہ ہوگا کہ اپنے گھر پر اسلام نافذ کر لے جو ں تو ابھی بچے ہیں۔ جوان ہیں۔ گھر گرھستی نہیں ہے۔ شادی نہیں ہے۔ بچے نہیں ہیں۔ وہ تو اپنی ذات پر اسلام نافذ کریں۔ ارادہ ہو کہ جب یہ لوگ بہت خراب ہیں گھروں میں ٹی وی رکھے ہوئے ہیں بے حیائی ہے اور بچوں کو صحیح

تعلیم نہیں دلا رہے ہیں۔ جب میرا گھر ہوگا اور میرے بچے ہونگے میں الگ رہوں گا، تو میں یہ کروں گا ایسے کروں گا، چلوارادے ہی بنائے میں بچوں کی ایسے تربیت کروں گا، ایسے برائی سے بچاؤں گا گھر میں ٹی وی نہیں رکھوں گا۔

لیکن جو گھر گرھستی والے ہیں انکو اپنے گھر پر بھی اسلام نافذ کرنا چاہیے۔ پرویز مشرف صاحب سے لوگ مطالبہ کرتے ہیں کہ اسلام نافذ کرو۔ آپ اپنے گھر میں اسلام نافذ کریں۔ چھوٹا سا گھر ہے، پانچ مرلے کا ہوگا، دس مرلے کا ہوگا، 20 کا ہوگا، 2 کنال کا ہوگا، یہ آپ کریں پھر مطالبہ کریں تو بات ہے۔ میرے جو اختیار میں ہے۔ دیکھو یہ تو میں نے کر دیا۔ آپ کیوں نہیں کر سکتے ؟۔ پھر بھی وہ کہہ سکتا ہے کہیہ تو پورا ملک ہے میں کیسے کروں؟۔ لیکن اگر ہم اپنے گھر میں اسلام نافذ نہیں کرتے۔ تو ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم مطالبہ کریں کر جی ملک میں اسلام نافذ کرو۔ اپنے گھر پر اسلام نافذ کرو۔ گھر میں بے حیائی ہے جس گھر کے آپ سربراہ ہیں۔ اس گھر میں خواتین پردہ نہیں کرتیں اسلام کے مطابق۔ صاف ظاہر ہے بہت بڑی برائی ہے۔ اس گھر میں کوئی بے حیائی کا اڈا قائم ہے بے حیائی کے اڈے کا مطلب ہے کہ ٹی وی لگا پڑا ہے۔ کیبل لگی ہوئی ہے۔ صاف ظاہر ہے برائی آ رہی ہے۔ کون روک سکتا ہے۔ گٹر کھلا ہوا ہے آج نہیں تو کل اس کے اثرات پھیل جائیں گے۔ اب اس کو بند کرنا کس کا کام ہے۔ اور ہر گھر میں شادی، موت، فوت، خوشی، غمی کے موقع تو آتے ہی رہتے ہیں۔ اس موقع پر بھی ہم دین پر نہیں چلتے۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ شادی بیاہ میں کوئی پوچھتا ہی نہیں کیا ہونا ہے۔ موت فوت پر بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ دین کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ماحول ٹھیک نہیں ہے دوسرا کام یہ کرنا ہوگا۔ پہلے اپنے جسم پر اسلام نافذ کرو۔ دوسرا اپنے گھر پر اسلام نافذ کرنا ہوگا۔ جو گھروں والے ہیں ان کو اپنے اہل بیت پر اسلام نافذ کرنا ہوگا۔ اہل بیت۔ گھر والے ہی ہوتے ہیں۔ بیوی بچے۔ اور تیسرا کام یہ کرنا ہوگا کہ اپنے ذرائع آمدنی پر اسلام نافذ کرنا ہوگا کہ کوئی پیسہ جو ایسے طریقے سے کمایا گیا ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے وہ پیسہ میرے گھر میں نہیں آ سکتا۔ نہ میری جیب میں آ سکتا ہے۔ نہ میرے بینک اکاؤنٹ میں۔

بس یہ تین کام اگر آپ کرلیں۔کاروبار ہے۔دکان ہے جو بھی ذرائع آمدنی ہیں آپ کے۔ان پر ایک چھلنی نما لگانی پڑے گی اس میں سے پیسہ چھن کر آئے گا۔وہی میں استعمال کروں گا اپنے گھر میں اور اپنے معاملات پر۔دوسرا پیسہ مجھے نہیں چاہیے۔فاقہ کرلیں گے۔نہیں چاہیے پیسہ۔آج بھی ایسے گھر ہیں جو کہتے ہیں کہ حرام کا پیسہ نہیں چاہیے۔حلال کا چاہیے۔عید پر نئے کپڑے نہیں بنائیں گے۔یہ نہیں کریں گے۔یہ نہیں کریں گے۔ایسا نہیں کریں گے۔بس حلال چاہیے حرام نہیں چاہیے۔لیکن اگر آدمی ایسا نہ کرے تو پھر زیب نہیں دیتا کہ آدمی دوسروں سے تقاضا کرتا پھر رہا ہو۔تو جو آدمی یہ تین کام کرے اپنی ذات پر۔اپنے گھر میں اور اپنے ذرائع آمدنی پر تو یہ پہلا تقاضا پورا ہو جاتا ہے ہاں کوشش کرے کہ ملک میں اسلام نافذ ہو۔اللہ کے ہاں جائیں گے تو جواب دے سکیں گے کہ اے اللہ! میرے جتنا بس میں تھا میں کرتا رہا آگے ممکن ہی نہیں تھا میں کیا کرتا تو پہلا تقاضا پورا کرنے کیلئے جس کے لئے ہمارے دین کی اصطلاح ہے اسلام، اطاعت، عبادت، تقویٰ اس کے تقاضے پورے ہو جائیں گے۔

دوسرا کام ـــــــ دین دوسروں تک پہنچانا اور شہادت حق

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس دین کے تقاضوں کو عام کرنا چاہیے۔مجھے کہیں سے پتہ چلا ہے میں آپ کو بتا رہا ہوں۔اب آپ کے ذمے ہے کہ آپ آگے بتائیں۔ہر آدمی مبلغ ہے۔مبلغ ہونے کیلئے ضروری نہیں کہ سر پر پگڑی ہو اور ہاتھ میں عصاء ہو اور جبہ پہنا ہوا ہو۔ہر آدمی کر سکتا ہے تبلیغ۔جو آدمی دین پر عمل کر رہا ہے وہ اپنے وجود سے گویا کہ تبلیغ کر رہا ہے۔آپ دین پر عمل کریں گے از خود لوگ دیکھیں گے کہ یہ آدمی پہلے کیا تھا اب کیا ہے۔زبان سے بھی کہنا ہوگا کہ ہاں بھئی واقعی ایسے کرنا چاہیے۔اپنی برادری میں۔رشتہ داروں میں دوستوں میں۔بہر حال برادری میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں کوئی کسی ملک کا ہے، کوئی کسی ملک کا ہے۔، کوئی کسی خیال کا ہے، کوئی پیپلز پارٹی کا ہے، کوئی ق لیگ کا ہے، کوئی ن لیگ کا ہے، کوئی ادھر ہے، کوئی کیمونسٹ ہے، رشتہ داروں میں کوئی نہ کوئی انکو بتانا ہوگا کہ دین یہ ہے یہ دوسرا تقاضا ہے دین کا اس کے لئے بھی ہمارے دین میں بہت ساری اصطلاحات ہیں ایک لفظ ہے دعوت، ہم دعوت ایک ہی جانتے ہیں

کھانے پینے کی۔ایک ہے دعوت دین دعوت الیٰ اللہ۔اللہ کی طرف لوگوں کو بلانا۔دعوت کے معنی ہیں بلانا، دعوت ولیمہ، دعوت طعام کھانے کی طرف بلانا۔ایک دعوت دین ہے۔لوگوں کو دین کی طرف بلانا۔کہ بھائی ہم مسلمان ہیں ہم محمد ﷺ کے امتی ہیں ہمارے دین کا تقاضا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ مرنا ہے۔مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ہے اور اللہ کے ہاں حساب کتاب ہے لہٰذا ہم دوسروں کی طرح زندگی نہیں گزار سکتے انسان ایک جانور نہیں ہے۔کوئی گدھا مرجائے شیر مرجائے ہاتھی مرجائے تو مرگیا ختم۔انسان ایسا تو نہیں ہے۔کافر آخرت کو نہیں مانتے۔ہم مسلمان ہیں ہم تو مانتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ انسان مرگیا تو مرگیا۔کھا پی لو، عیش کرلو جتنا کرنا ہے۔زندگی تھوڑی ہے۔زندگی تھوڑی ہونے کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بھئی جو عیش کرنی ہے کرلو پتہ نہیں کب زندگی ختم ہوجائے اور اگر ہم مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ماننے والے بھی یہی کریں۔کھاؤ پیو عیش کرو۔اور کوئی ذمہ داری نہیں تو پھر وہ آخرت کہاں گئی۔لہٰذا ہمیں لوگوں کو اس کی طرف بلانا ہے۔اگر ہمیں یقین ہے۔کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ہے اور جنت ہوگی اور دفعتہً ہوگی تو اگر آپ کا بھائی نماز نہیں پڑھتا، کسی کی بہن نماز نہیں پڑھتی، کسی کی والدہ نماز نہیں پڑھتی، کسی کا والد نماز نہیں پڑھتا، کسی کا بیٹا نہیں نماز پڑھتا، تو اس کو کون بلائے گا دین کی طرف آپ بتائیں۔پولیس بلانی پڑے گی؟۔نہیں۔آپ کو بتانا ہوگا۔آپ کا پڑوسی نماز نہیں پڑھتا۔آپ کے Colleges میں کوئی نماز نہیں پڑھتے۔کون بتائے گا۔اس کے بہت سارے محرکات ہوسکتے ہیں دعوت کے۔

ایک یہ کہ ختم نبوت کا تقاضا ہے کہ ہم دوسروں کو دین کی طرف بلائیں۔اس لئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری نبی تھے پہلے گمراہی ہوتی تھی تو نبی آجائے تھے۔حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔تو اب یہ کام کون کرے گا۔مسلمان ہی کریں گے۔جو محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں انہیں ہی کرنا ہے۔اس کا بھی تقاضا ہے۔

ایک انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے۔آپ کا بھائی نماز نہیں پڑھ رہا۔آپ کو یقین ہے کہ مرنے کے بعد حساب کتاب ہے اور بے نماز بغیر توبہ کے مرجائے تو جہنم میں جائے گا۔آگ جلے گا۔تو آپ پسند کرتے ہیں۔کہ آپ کا بھائی جہنم میں جلے۔آپ کا بیٹا جلے یا آپ کی والدہ یا

آپ کی بیوی یا آپ کے بچے۔ اگر آپ پسند نہیں کرتے تو ان کو بچاؤ۔

یاایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا(التحریم)

''اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔''

اس لئے کہ بغیر توبہ کے اگر کوئی مر جائے تو یقین کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر توبہ کے مرے گا اور دین پر عمل نہیں کر رہا ہوگا تو یقیناً جہنم میں جائے گا۔ توبہ کر لے تو بچ سکتا ہے۔ پھر بھی ہم نہ بتائیں۔ تو بڑا سخت پتھر کا ٹکڑا ہے ہمارے سینے میں انسانی دل نہیں ہے۔ ہمدردی کا تقاضا ہے۔ غیرت کا تقاضا ہے۔ دنیا میں ہر مذہب کے ماننے والے کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا دین دنیا میں پھیلنا چاہیے، غالب ہونا چاہیے، ہندو یہی کوشش کر رہے ہیں۔ سکھ یہی کر رہے ہیں۔ عیسائی یہی کر رہے ہیں یہودی یہی کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارا دین پھیلے اگر ہم مخلص ہیں اپنے دین پر یقین رکھتے ہیں تو یقیناً یہ جذبہ ہونا چاہیے۔ اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ دین پھیلایا جائے، عام کیا جائے، ختم نبوت کا تقاضا ہے انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے اور غیرت کا تقاضا ہے یہ سارے تقاضے جمع ہو جائیں تو یہی ہے کہ دین کی دعوت لوگوں کو دینی چاہیے۔ اس کے لئے ہمارے ہاں ایک اور لفظ ہے تبلیغ۔ دعوت کا معنی ہے بلانا۔ کسی کو بلا کر کوئی بات کی جائے۔ تبلیغ کا معنی ہوتا ہے پہنچانا۔ کسی کے گھر جا کر کوئی بات کی جائے۔ یہ ہمارے ہاں دین کی اصطلاح ہے۔

یاایھا الرسول بلغ ماا نزل الیك

قرآن مجید کے بارے میں حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ جو قرآن آپ پر اتر رہا ہے آپ لوگوں تک پہنچا دیجئے۔ تبلیغ کر دیجئے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا!

بلغوا عنی ولو آیة

تبلیغ کا معاملہ حضور ﷺ نے عام کر دیا۔ تبلیغ کتابیں بانٹنے کا کام نہیں۔ تبلیغ کسی انسان کی لکھی ہوئی کتاب پڑھنے کا کام نہیں۔ تبلیغ تو قرآن کی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس کسی کو ایک آیت آتی ہے اسی کو آگے پھیلائے۔ یہ تبلیغ ہے اس کی۔ بلغوا عنی ولو آیة چاہے تمہیں

ایک ہی آیت آتی ہو۔اس کی تبلیغ کرو۔آگے پھیلاؤ۔کسی کو سورہ فاتحہ یاد ہے اس کا ترجمہ یاد ہے وہ پھیلائے آگے۔سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں رسول اللہ ﷺ نے تو ایک آیت پر فرمادیا۔ہر آدمی کوشش کرسکے کہ جتنا قرآن سیکھا ہے اس کو آگے پھیلایا جائے۔شرمایا نہ جائے اس میں ایک آیت سے کم درجہ کیا ہوسکتا ہے بتائیں؟ ''صفر'' دعوت اسی کی اصطلاح ہے تبلیغ اسی کی اصطلاح ہے۔اسی کے لئے ہمارے دین میں اصطلاح استعمال ہوتی ہے تعلیم۔تدریس۔تقریر سارا اسی کا حصہ ہے۔دین آگے بڑھایا جارہا ہے کسی کو قرآن پڑھنا آتا ہے۔ناظرہ پڑھتا ہے۔ناظرہ پڑھا رہا ہے۔کسی کو کتابیں دین کی آتی ہیں وہ آگے پڑھا رہا ہے۔حدیث آتی ہے وہ آگے پھیلا رہا ہے۔کوئی مضمون لکھ سکتا ہے وہ مضمون لکھ رہا ہے۔اور اگر کوئی کتاب لکھ سکتا ہے وہ کتاب لکھ رہا ہے۔تو تعلیم۔تدریس اور تحریر یہ سارا اسی کا میدان ہے۔اسی میں وہ آئے گا۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ہمارے دین کی اصطلاح ہے۔قرآن مجید میں ہے کہ اللہ یہی کررہا ہے۔اللہ بھی نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔

ان الله يامر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربىٰ وينهىٰ عن الفحشاء والمنكر والبغى۔

رسول اللہ ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا حضور ﷺ یہی کرتے ہوئے آئے ہیں سورۃ الاعراف میں فرمایا!

يامرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر

رسول اللہ ﷺ کی ایک شان بیان کی گئی وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں صحابہؓ کی یہی شان بیان کی گئی۔خلافت کی یہی شان بیان کی گئی۔

الذين ان مكنهم فى الارض اقاموا الصلوة واتوالزكوٰة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر

اگر ان کو اقتدار مل جائے اہل ایمان کو صحابہؓ کو جب ملے گا۔یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ کا نظام قائم

کریں گے اور امر بالمعرف اور نہی عن المنکر قرآن مجید میں پوری مسلمان امت کو یہی کہا گیا۔ ہم اکثر آدھی آیت بڑھتے ہیں۔ پوری میں یہی ہے۔ کنتم خیر امة اخرجت للناس ۔تم بہترین امت ہو لوگوں کے لئے برپا کئے گئے ہو۔ تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتومنون بالله ۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم امر بالمعروف اور نہی عنی المنکر اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اسی کے بارے میں فرمایا گیا کہ اگر یہ مقصد لوگ بھول جائیں ساری امت کا یہ کام ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔ تم بھول جاؤ۔ کیا کرو۔ کچھ لوگ جو جاگ رہے ہیں انہیں تو کرنا چاہیے نہ۔ ساری امت نہیں کر رہی کوئی بات نہیں تھوڑے آدمی جاگ رہے ہیں۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر واولئك هم المفلحون

امر بالمعروف کریں نہی عن المنکر کریں یہ بھی اصطلاح اسی کیلئے ہے دین کو پھیلانا۔ دوسروں تک پہنچانا۔ اس کے سوا کوئی اور طریقہ نہیں ایک طریقہ ہوسکتا ہے۔ کہ جب خلافت قائم ہو جائے تو حکومت کے ذمے ہو جائے گا۔ لیکن جب تک حکومت قائم نہیں ہے۔ میڈیا میرے پاس نہیں۔ آپ کے پاس نہیں ہے۔ ٹی وی سے کیا نشر ہونا چاہیے۔ نہ آپ کا اختیار ہے نہ میرا اختیار ہے۔ نظام تعلیم کیسا ہونا چاہیے یہ آپ کا اختیار نہ میرا اختیار۔ فلاں چیز نکال دو۔ فلاں چیز نکال دو وہ کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں کون مشورے دیتا رہتا ہے۔ اور ہماری حکومت نکالتی رہتی ہے۔ ریڈیو پر کیا آنا چاہیے اخبارات میں کیا چھپنا چاہیے۔ ہمارا اختیار ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ذاتی رابطہ اور Man to Man کوشش کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور چارہ ہے ہی نہیں۔ تو اس دوسرے کام کیلئے ہمارے دین کی اصطلاحات ہیں دعوت، تبلیغ، تدریس، تحریر، تقریر، امر بالمعروف نہی عن المنکر

تیسرا کام ـــــــ دین حق کو غالب کرنے کی سعی کرنا

یعنی نظام خلافت کا قیام

تیسرا جو کام ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنا صاف ظاہر ہے بہترین نمونہ تو تب ہی ہو

سکتا ہے جب اسلامی حکومت قائم ہو۔ برکات تب ہی ظاہر ہوسکتی ہیں۔ایک ہے کسی چیز کا وعظ کہنا وعظ کہنا اور ہے اور ایک ہے کسی چیز کا نمونہ دکھا دینا۔رسول اللہ ﷺ نے وعظ بھی کہا۔دین پر چلو یہ فائدہ ہے یہ فائدہ ہے پھر ذاتی زندگی میں انسان کی حیثیت سے بھی نمونہ بن کے دکھایا۔

لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة

نمونہ۔کامل نمونہ۔اسی کے لئے ہمارے دین میں اصطلاح ہوتی ہے شہادت علی الناس۔دین کی گواھی دینا۔ایک ہے زبان سے کہنا۔نماز پڑھو،روزے رکھو،شادی،خوشی،غمی کے موقع پر دین پر چلو۔ایک یہ ہے کہ جب اپنے گھر میں شادی کا موقع آئے تو عمل کر کے دکھاؤ۔ آپ نے جو پہلے بیس پچاس وعظ کیے ہونگے کہ جی یوں عمل کرنا چاہیے یوں شادی ہونی چاہیے۔ کوئی موت ہو جائے تو یہ کام کرنا چاہیے۔اور اپنے گھر میں شادی آ جائے اور آدمی ڈھول ڈھمکے کر رہا ہو اور ویڈیو بن رہی ہو،لوگ کہیں گے یہ پاگل آدمی ہے بڑے وعظ کرتا رہتا تھا۔اب آئندہ جو وعظ کہے گا تو اثر ہی نہیں ہوگا۔لیکن آپ عمل کر کے دکھائیں تو آپ کی پچھلی بات بھی ثابت ہو جائے گی کہ یہ سچا آدمی ہے۔باکردار انسان ہے تو اللہ کے رسول ﷺ نے بھی شہادت علی الناس کا فریضہ ادا کیا۔کہ جو کام کہا وہ خود کر کے دکھایا۔آدمی کہے کہ جی کاروبار ایسے ہوتا ہے۔جی ایسے ہوتا ہے۔اور خود اپنی دکان پر سارے غلط کام کر رہا ہو۔لوگ کیا کہیں گے پاگل آدمی ہے۔ کہتا کچھ ہے۔عمل کچھ ہے۔بے ایمان آدمی ہے یہ کہیں گے اور کیا کہیں گے تو دین کی گواہی دینا اپنے کردار سے جیسے ہم کہتے ہیں شہید۔اور شہادت۔یہ اصل میں ہے ہی گواہی کا نام اور تیسرا کام ہے اللہ کے دین کا غلبہ کرنا وہ بھی شہادت ہی کی ایک قسم ہے کہ دین کی گواہی دینی ہے۔دنیا میں کسی مذہب کے ماننے والوں کا سب سے بڑا کام یہ ہوتا ہے۔کہ دنیا میں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔ وہ سب سے بڑی گواہی ہے۔اسی لئے شروع میں میں نے کہا تھا کہ دین کے دو تقاضے بھی ہیں لیکن سمجھانے کیلئے تین ہیں۔شہادت علی الناس ہی کا ایک حصہ ہے کہ دین کو غالب کر کے دکھا دیا جائے۔اب مکے میں رسول اللہ ﷺ وعظ کہہ رہے تھے۔مدینے میں آ کر اس وعظ کے ساتھ جنگیں کرنی پڑیں۔اگر صرف وعظ کہنا ہو تو آپ کہیں بھی بیٹھ کر وعظ کہہ لیں۔دو آدمی سنیں۔چار

سنیں نہ سنیں۔عمل کریں نہ کریں۔ٹھیک ہے جائیں۔لیکنا گر دین غالب کرنا ہوتو پھر ایک تقاضا اور بن جاتا ہے۔دین غالب تبھی ہوگا جب ایک علاقہ Territory ہوجغرافیہ ہونا چاہیے۔رقبہ ہونا چاہیے۔ جہاں دین نافذ کر دیا جائے کہ جو آدمی اس علاقے رہے گا۔اگر چوری کرے گا دین او رقرآن میں اس کی یہ سزا ہوگی۔ بدکاری کرے گا تو یہ سزا ہوگی۔ایسے تعلیم ہوگی اور ایسے معاملات ہونگے۔اس کے لئے ایک علاقہ چاہیے۔ وعظ کہنے کیلئے کوئی علاقہ نہیں چاہیے۔ ہمارے بہت سارے بزرگان ہندوستان آئے ہندوؤں کا علاقہ تھا۔معین الدین چشتی اور علی ہجویری ایسے بہت سے بزرگ آ کے ہندوؤں کے علاقوں بیٹھ گئے۔تبلیغ کرتے رہے۔ٹھیک ہے۔لیکن اگر دین غالب کر کے دکھانا ہے تو اس کے لئے علاقہ چاہیے۔ اور علاقہ فتح کرنے کے لئے جنگیں چاہئیں پھر تلوار اٹھانی پڑتی ہے صرف وعظ کہنا ہوتو تلوار نہیں اٹھانی پڑتی آج ہمیں غلط فہمی ہے کہ شاید محمد ﷺ صرف وعظ کہنے آئے تھے۔اگر صرف وعظ کہنا تھا تو پھر جنگیں کیوں لڑیں۔معلوم ہوا کہ صرف وعظ کہنا ان کا مقصد نہیں تھا۔وعظ کہنا ہوتا تو جنگ بدر کی ضرورت نہیں تھی، نہ جنگ احد، نہ جنگ خندق، نہ فتح مکہ۔وعظ کرتے رہتے۔لیکن انکا یہ مقصد تھا کر دین کا غلبہ کرنا ہے لہٰذا اس کے لئے جنگیں لڑیں۔علاقہ فتح کیا اور پھر اس میں اللہ کے دین کو نافذ کر کے دکھا دیا۔تب اسلام کی برکات ظاہر ہوئیں کہ اسلام نافذ ہو نماز کا نظام نافذ ہو۔زکوٰۃ کا نظام نافذ ہو۔قصاص ہو۔قتل کی سزا ہو۔شراب کی ۔ بدکاری کی ۔ چوری کی جو اسلام میں سزائیں ہیں وہ ہوں۔ بے حیائی کو روک دیا جائے تو یوں معاشرہ ہوتا ہے۔دنیا جنت بن جاتی ہے۔خلافت راشدہ کی برکات ویسے ظاہر نہیں ہوسکتیں یہ بھی ہمارے دین میں اس کی کوشش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔اللہ کب کرے گا۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس تیسرے فرض کے لئے بہت ساری اصطلاحات ہیں۔قرآن مجید میں کئی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

سورۃ انفال:۔

وقاتلو هم حتیٰ لا تكون فتنة و يكون الدين كله لله۔

''آپ کافروں سے جنگ جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب ہوجائے۔اور دین،کل کا

کل نظام زندگی اللہ کے لئے ہو جائے''۔اسی کے لئے خلافت کا لفظ ہے۔قرآن مجید میں اشارہ ہے۔وعد اللہ الذین اٰمنو ا منکم و عملوالصلحات لیستخلفنھم فی الارض (النور 56)

اللہ تعالیٰ خلافت دے گا ابوبکر عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی حکومت کو خلافت ہی کہتے ہیں ایک نظام دین غالب ہو گیا۔اس کے لئے قرآن مجید میں اصطلاح ہے۔اظہار دین ھو الذین ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ' علی الدین کلہ ۔وہ اللہ ہے جس نے بھیجا محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید، الھدیٰ دیکر اور سچا دین دیکر۔کس لئے بھیجا؟ ہم میں سے کسی سے کوئی پوچھے تو کہیں گے کہ قرآن خوانی کیلئے قرآن دیکر بھیجا۔پڑھتے رہو۔قسمیں اٹھانے کیلئے اور کوئی مر جائے تو ختم قرآن۔دیگیں پکوا کر کرو یا مفت پڑھواؤ۔پڑھتے رہو۔لیکن اللہ فرما رہا ہے کہ اس لئے بھیجا کہ محمد ﷺ اس دین کو جو قرآن میں ہے باقی ساری دنیا کے دینوں پر غالب کر دے۔دین ایک نظام کو کہتے ہیں ایک علاقے میں ایک ہی دین چل سکتا ہے دو دین نہیں چل سکتے پرانی مثال ہے کہ ایک نیام میں دو تلواریں۔ایک علاقے میں دو دین ہو ہی نہیں سکتے۔ایک غالب ہو گا وہ دین ہو گا جو مغلوب ہو گا وہ مذہب ہو گا وہ دین رہتا ہی نہیں۔اللہ کا دین غالب ہونا چاہیئے۔آج دنیا میں اسلام کہیں بھی غالب نہیں۔مغلوب ہے۔تو اظہار دین۔دین کا غلبہ یہ بھی ایک اصطلاح ہے۔ ہمارے ہاں بڑی عمر کے لوگ جانتے ہیں بھٹو صاحب ہمارے ملک میں حکمران ہوتے تھے۔ان کے دور میں قومی اتحاد کی ایک تحریک چلی تھی 1977ء میں اب تو تیس سال ہونے کو آ رہے ہیں۔اس وقت مفتی محمود صاحب تھے۔جب پی این اے کی تحریک چلی تھی۔اس وقت ایک نعرہ لگا تھا۔''نظام مصطفےٰ'' اس کے کیا معنی ہیں؟ اسے اسلامی انقلاب کہہ لو۔اسلامی حکومت کہہ لو یا دین کا غلبہ کہہ لو یا اظہار دین کہہ لو بات تو ایک ہی ہے۔نظام مصطفےٰ کہہ لو محمد ﷺ کا دین۔نظام کیا ہے یہی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات۔قرآن و حدیث کا نظام غالب ہونا چاہئے بس۔اسی کیلئے کبھی اسلامی انقلاب کا نام لے لیا جاتا ہے۔ ہم انقلاب کا لفظ ایک REVOLUTION کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔آج کل

جدید عربی میں اس کے لئے سَور کا لفظ آتا ہے۔ ہر چیز بدل دو۔ تلپٹ کردو۔ اس معنی میں انقلاب کا لفظ قرآن مجید میں نہیں آیا۔ لیکن اسلامی انقلاب اسی معنی میں ہے کہ باقی سارے نظام توڑ پھوڑ دو۔ اور ایک اللہ کا دین غالب ہو جانا چاہئے۔ اس کے لئے ایک اور اصطلاح ہے جو عیسائیوں کے ہاں استعمال ہوتی ہے جیسے ہمارے ہاں نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اسی طرح عیسائیوں کے ہاں Lord,s Prayer ہے عیسائی مشنری سکولوں میں صبح وہی دعا پڑھی جاتی ہے بچے دعا مانگتے ہیں۔ متی کی انجیل میں وہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ!

Thy Kingdom Came.Thy Will be Done.

اے اللہ تیری حکومت قائم ہو جائے۔ اے اللہ! تیری مرضی پوری ہو

آسمانی بادشاہت کے کیا معنی؟ اللہ کی بادشاہت کے کیا معنی؟ حکومت الٰہیہ کہا جائے تو کیا معنی؟ یہی معنی میں کہ بھئی اللہ کے حکم کے مطابق قرآن کے مطابق دنیا میں معاملات چل رہے ہونے چاہئیں اور قرآن کی تشریح، حدیث میں ہے اس کے مطابق معاملات چل رہے ہونے چاہئیں۔ تو یہ ساری اصطلاحات جو ہمارے اسلامی لٹریچر کا حصہ ہیں یہ اس بات کو ظاہر کر رہی ہیں۔ چاہے اس کو غلبہ دین کہیں چاہے دین کو کامل کہیں۔ دین سب پر غالب ہو جائے کہیں۔ نظام مصطفےٰ کہیں۔ اسلامی حکومت کہیں۔ اسلامی انقلاب کہیں۔ جو نام بھی لیں انگریزی میں ہے۔ کہ! Call the rose by any name it will smell

ایک حقیقت ہے اس کا جو مرضی نام رکھ لو۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ کے احکام پامال نہیں ہونے چاہئیں۔ بے وقعت نہیں ہونے چاہئیں۔ جیسے اللہ کا مقام ہے اسی طرح اللہ کے احکام اور اللہ کی شریعت، اللہ کا اتارا ہوا دین وہ دنیا میں پاؤں میں روندا نہیں جانا چاہئے۔ آج کیا ہو رہا ہے۔ قرآن جو اللہ کے احکام کی کتاب ہے وہ رکھی ہوئی ہے۔ پڑی ہوئی ہے۔ اور بس۔ کوئی پڑھتا ہی نہیں آج دنیا میں Reference کیا ہے؟ مغربی نظام یہ جی یورپ کا ہے۔ یہ برطانیہ کا ہے۔ یہ وہاں کا نمونہ ہے یہ وہاں کا نمونہ ہے اللہ کی کتاب اور سنت

رسول ﷺ کو کوئی پوچھتا ہی نہیں مسواک اور طہارت اور اس کے لئے مٹی کے ڈھیلے۔ بس اس تک محدود ہیں نکاح، طلاق کے مسائل تک محدود ہیں، باقی حکومت کی سطح پر اس کے نفاذ کیلئے کوئی تیار ہی نہیں یہ توہین ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی۔ نفاذ ہونا چاہئیے۔ حضور ﷺ نے یہی سمجھایا تھا صحابہؓ کو اور انہوں نے اس پر عمل کر کے دکھایا تھا۔ کسی صحابیؓ سے یہ منقول نہیں ہے آپ پڑھ کے دیکھ لیں حکایات صحابہؓ پڑھ لیں ساری کی ساری واقعات پڑھ لیں۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جہاد پر لگا دیا۔ کہ کسی صحابیؓ نے کہا ہو کہ حضور ﷺ ہم تو آپ سے اعمال اور توبہ اور اس کا کوئی طریقہ اور تسبیحات سیکھنے کیلئے آئے تھے آپ نے ہمیں تلوار پکڑا دی، یہ کیا کر دیا کسی ایک صحابی سے بھی منقول نہیں جو اللہ کے رسول نے سمجھایا اسی پر لگ گئے یہی سمجھایا تھا۔ اللہ کے رسولؐ نے یہی صحابہؓ نے سمجھا اور اسی پر عمل کیا۔ تو یہ تین فرائض میں دین کے خود اللہ کا بندہ۔ اس کے اصطلاحات ہیں اسلام، عبادت، اطاعت، تقویٰ اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سارے احکام صبر اور مصابرت اور سارے آجائیں گے۔

دوسرا ہے تبلیغ، دعوت، تحریر، تقریر، تدریس، امر بالمعروف نہی عن المنکر، شہادت علی الناس، یہ سارے آجائیں گے اسی میں مدرسوں کا نظام اور کتابوں کا نظام سارا اسی میں آجائیگا

اور تیسرا ہے اللہ کے دین کا غلبہ اس میں بہت ساری اصطلاحات ہیں یہ دین کا تقاضا ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ کام ہمیں کرنے ہونگے۔ ٹھیک ہے ہر آدمی کی اپنی حیثیت ہے ہر آدمی پر اس کی حیثیت کے مطابق ذمہ داری عائد ہوتی ایک ملک کا صدر ہے، جو اس کی ذمہ داری ہے اور ایک جو دیہات میں رہتا ہے اس کی ذمہ داری ایک جیسی نہیں ہوسکتی۔ لیکن کرنے تینوں کام ہونگے کوشش کرنی ہوگی۔

تین فرائض کے تین لوازم

اب اگلا مرحلہ ہے جو ایک مثال سے بات واضح کریں گے تو آسان ہے ویسے سمجھانی مشکل ہے ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے دین میں نماز فرض ہے۔ قرآن مجید میں تقریباً سو مرتبہ حکم ہے لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ نماز کا فریضہ ادا کرنے کے لئے وضو ضروری

ہے وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا نماز فرض ہے تو وضو بھی فرض ہے جب نماز وضو کے بغیر ہوتی نہیں ہے اور نماز فرض ہے تو وضو بھی فرض ہو گیا۔ لہٰذا وضو اتنا ہی ضروری ہے جتنی نماز ضروری ہے اور وضو کے لئے پاک پانی چاہئے۔ (ہماری حدیث کی کتابوں میں جہاں اور طہارت کے باب ہیں ان میں ''باب المیاہ'' بھی ہے پاک پانی کہاں سے تلاش کیا جائے ہر آدمی کا مسئلہ ہے ہم جن علاقوں میں رہتے ہیں وہاں پانی کا کوئی مسئلہ نہیں پہاڑی علاقے جو ہیں۔ ڈی جی خاں چلے جائیں اور بلوچستان چلے جائیں اور سبی، جیکب آباد جو علاقے ہیں وہاں میلوں پانی نہیں ہوتا۔ وہاں پتہ چلتا ہے پانی کی کیا اہمیت ہے تو نماز فرض ہے اس کے لئے وضو ضروری ہے تو وضو بھی فرض ہو گیا اور جب تک صحیح پانی نہ ہو وضو نہیں ہو سکتا، تو صحیح پانی بھی لازم ہو گیا۔ صحیح پانی تلاش کرنا وہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنی نماز ضروری ہے پانی نہ ملے تو اور احکام ہونگے پھر اسی طرح کچھ کام ہیں اسے کہتے ہیں منطقی نتائج نماز فرض ہے تو منطقی نتیجہ ہے کہ وضو بھی فرض ہے وضو فرض ہے تو پانی کی تلاش بھی فرض ہے۔ اسی طرح منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ تین کام ہمیں کرنے ہیں تو اس کے لئے محنت کرنی پڑے گی محنت کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ از خود تو دنیا میں کام ہوتے ہی نہیں۔ سوچنا پڑے گا۔ محنت بھی کرنی پڑے گی شامل ہونا پڑے گا یہ کرنا پڑے گا یہ کرنا پڑے گا۔ تو ان تین کاموں کو کرنا ہے تو جیسے نماز فرض ہے وضو فرض ہو گیا لازمی ہو گیا ایسے ہی جہاد فرض ہے جہاد کے لفظی معنی جنگ نہیں ہے جہاد کے لفظی معنی ہیں جدوجہد، مجاہدہ اگر یہ تین فرائض ادا کرنے ہیں تو مجاہدہ اور محنت کرنی پڑے گی Struggle کرنی پڑے گی۔ اس کے بغیر نہیں ہو سکتے وقت نکالنا پڑے گا۔ فرصت نہیں ہے لیکن وقت نکالنا ہو گا اگر وقت نہیں نکال سکتے تو آخرت کی فکر چھوڑ دو جہنم میں جانے کی تیاری کر لو اور پھر دنیا میں عیش کرو۔ لیکن اگر آخرت کی فکر ہے تو انہی معاملات میں سے وقت نکالنا پڑے گا اور پیسہ بھی نکالنا ہو گا۔ کوئی تھوڑا کوئی زیادہ ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ نے ایک جیسا نہیں بنا دیا۔

تو پہلا نتیجہ ہے جہاد اگر یہ تین فرائض ادا کرنے ہیں تو اس کے لئے محنت، کوشش،

جدوجہد Struggle جوبھی آپ لفظ لے لیں وہ کرنا ہوگا اس کے بغیر یہ کام نہیں ہوسکتا تگ و دو، جس کو انگریزی میں کہتے ہیں۔ Struggle for Existance یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں ہم خلاء میں نہیں رہتے ہیں VACUUM نہیں ہے یہاں مسلمان اگر ہیں تو عیسائی بھی ہیں، ہندو بھی ہیں، یہودی بھی ہیں اور پارسی بھی ہیں اور دنیا کے بہت سے مذاہب ہیں آپ کوشش کر کے دین کا غلبہ نہیں کریں گے تو کوئی اور کر دے گا پھر آپ محکوم ہو کے بیٹھے رہیئے گا۔ یہی ہوا تھا ڈھائی سو سال پہلے مسلمان دین سے غافل ہوئے۔ انگریز آ گیا کہیں دو سو سال، کہیں سو سال حکومت کر گیا۔ اور ہمیں دین سے بے راہ ہی کر گیا۔ صاف ظاہر ہے وہ تو دین نہیں سکھا سکتا تھا وہ تو اپنے طریقے پر لگائے گا کہ اسے اپنے دین سے غافل کر دو، حیوان بنا دو، بنا دیا آج تک ہم میں وہی سوچ پیدا ہو رہی ہے تو آپ محنت نہیں کریں گے تو دوسرے کریں گے اور آپ کو اپنی راہ پر لگا دیں گے لہٰذا دنیا میں یہ Struggle for Existance ہے نظریات کی دنیا میں بھی Struggle for Existance ہے اگر ہمیں دین کے تقاضے پورے کرنے ہیں اور مسلمان بن کر زندہ رہنا ہے تو جدوجہد کرنی پڑے گی محنت کرنی پڑے گی Struggle کرنی پڑے گی اس کے لئے جان، مال لگانا پڑے گا۔ اور جیسے نماز کیلئے وضو فرض ہے وضو کے لئے پانی یہ جدوجہد اکیلے نہیں ہوسکتی یہ بھی نتیجہ نکالنا پڑے گا کچھ کام ہوتے ہیں جو اکیلے کرنے کے ہوتے ہیں اگر میں پانی کا گلاس مانگوں کسی سے کہ بھئی مجھے پیاس لگی ہے پانی لا دو چار آدمی اٹھ جائیں اور چاروں گلاس کو پکڑ کر لا رہے ہیں بے وقوفی کی بات ہے ایک گلاس کو ایک آدمی اٹھا سکتا ہے لیکن اگر مکان بنانا ہو اور آدمی حساب لگائے کہ چار مستری اور دس مزدور لگاؤ تو چھ مہینے میں مکان بنے گا تو ایک مستری اور ایک مزدور بلا لو ایک میں خود لگ جاؤ نگا۔ چلو دو سال میں تو بن ہی جائے گا۔ بے وقوفی کی بات ہے جو اجتماعی کام کرنے کا ہے وہ اجتماعی طریقے پر ہونا چاہئے۔ اور جو اکیلے کرنے کا ہے وہ اکیلے ہونا چاہئے تو دین کا غلبہ کرنا، دین پھیلانا دین کے وہ کام جو اجتماعی ہیں وہ اکیلا آدمی نہیں کر سکتا اس کے لئے شعبے ہیں کوئی تقریر کرتا ہے، کوئی تدریس کرتا ہے، کوئی اخبار میں لکھتا ہے، ہر آدمی ہر

کام تو نہیں کر سکتا لہٰذا ایک جماعت کی ضرورت ہے مل جل کر کام کرنا۔جس میں مختلف صلاحیتوں کے لوگ جمع ہو جائیں۔کوئی شعبہ کوئی سنبھال لے گا۔کوئی شعبہ کوئی سنبھالے گا۔ اجتماعی کام میں برکت ہو جاتی ہے۔تو اگر دین کا غلبہ کرنا ہے تو اس کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے یعنی مل جل کر کام کرنے کی ضرورت ہے اکیلے کام نہیں ہوسکتا۔دین کا پہلا تقاضا کہ ہر آدمی کو اپنی ذات میں اللہ کا بندہ بننا چاہئے یہ کام اکیلے بھی ہوسکتا ہے آپ نماز پڑھیں گھر میں کام کریں اگرچہ اس سطح پر بھی ہمارے ہاں ایک بیعت کا رواج ہے کہ اپنی اصلاح کرنی ہے تو کسی کے مرید ہو جاؤ۔یہ بیعت مستحب کے درجے میں ہے اپنی خود اصلاح کرنا چاہو کرلو۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ میری قوت ارادی نہیں ہے میں کسی کا مرید ہو جاؤں وہ روکے گا۔تو میرے لے رکنا آسان ہو جائے گا ٹھیک ہے مستحب کام ہے لیکن اس معنی میں اس کے بغیر بھی کام ہوسکتا ہے ہو جائے کسی کا مرید اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔

لیکن دوسرے درجے میں جو ہے دین کا پھیلانا اس میں بھی کام ہوسکتا ہے لیکن اکیلے نہیں ہوسکتا اس میں ادارے ہیں انجمنیں ہیں مدارس ہیں، علماء کی جمعیتیں ہیں، جیسے جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت علمائے اہل حدیث علماء کی پارٹیاں ہیں جماعتیں کام کر رہی ہیں ظاہر ہے ''ایک اکیلا دو گیارہ'' مل کر کام کر رہے ہیں تب نتیجہ خیز ہے ایک یہاں آدمی بیٹھا ہے ایک کراچی بیٹھا ہے کوئی لندن بیٹھا ہے کوئی امریکہ بیٹھا ہے فوراً رابطے ہو جاتے ہیں کام ہو جاتا ہے اکیلے اکیلے کام ہو تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

ایک تیسرے درجے میں جو کام ہے دین کا غلبہ اس کے لئے پھر اور کام چاہئیے اس کے لئے تو پھر وہ صحابہ والی جماعت جو ہے ویسی ایک جماعت چاہئیے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے بنائی اس جماعت کی دو خصوصیات تھیں ایک تھی سمع و طاعت کہ اللہ کے دین کے احکام سنو اور اطاعت کرو Disciplene اور دوسری یہ کہ اللہ کے دین کا غلبہ کرنا اس کا مشن تھا تو جماعت اسی لئے قائم ہو کہ اللہ کے دین کو غالب کرنا ہے یہ نہیں ہے کہ ہمارے ذہن میں ہے سوچ میں ہے بتا نہیں سکتے تذکرہ کرنا مشکل ہے لوگ کیا کہیں گے بھاگ جائیں گے بعد میں بتائیں

گے ایسی جماعت سے یہ کام نہیں ہوسکتا علی الاعلان Declared Mission ہونا چاہیئے کہ ہمیں دین کا غلبہ کرنا ہے اور سمع و طاعت کی بنیاد پر اور ایک اور خصوصیت یہ ہونی چاہیئے۔ اگر ہو جائے تو بڑی اچھی ہے۔ یہ بہت Dedicated لوگ ہونے چاہئیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے بیعت کا نظام قائم کیا۔ ایک بیعت وہ ہے جو ارشاد کی بیعت کہلاتی ہے کہ پیر و مرشد ہو اور اس سے اپنی اصلاح کے لئے بیعت کریں ایک ہے بیعت جہاد حضور ﷺ نے صحابہؓ سے کئی بیعتیں لیں۔ قرآن مجید میں ذکر ہے ہماری پوری تاریخ ہی یہی بتا رہی ہے اس وقت دنیا میں لوگوں کو کسی پارٹی کا خیال آتا ہے کہ کوئی اجتماعی کام کرنا چاہیئے ٹھیک ہے کرنا چاہیئے۔ محلے، گلی کی صفائی ہو۔ کوئی Welfare کا ادارہ ہو، کوئی سوسائٹی بنانے کا خیال آئے۔ کیا ہونا ہے کہ لوگوں کو جمع کرلو، ایک صدر بنالو، ایک سیکرٹری بنالو، ایک خزانچی بنا لو، ایک نائب صدر بنالو، ایک جائنٹ سیکرٹری بنالو، چندہ رکھ لو ٹھیک ہے بس، اللہ اللہ خیر سلاّ۔ یہ تصور مغرب سے آیا ہے دو سو سال پہلے آیا اس سے پہلے نہیں تھا۔ ہمارے ہاں نہیں تھا ہماری تاریخ میں نہیں تھا یہ بھی کوئی حرام نہیں ہے جائز ہے ہم ان کی بجلی استعمال کر رہے ہیں، پنکھے استعمال کر رہے ہیں، گاڑیاں، ریل اور ہوائی جہاز استعمال کر رہے ہیں۔ جو مغرب کی ایجاد کردہ ہیں۔ ان کا استعمال منع نہیں ہے۔ لیکن ایک چیز ہماری تاریخ میں موجود ہے قرآن میں بیعت کا ذکر ہے حضور ﷺ نے کئی بیعتیں لیں ہماری تاریخ موجود ہے کہ جب بھی کوئی اجتماعی کام کرنے کا موقع آیا بیعت کی بنیاد پر کام ہوا سب سے پہلا کام ہماری تاریخ میں ہوا کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو نامزد کر دیا کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوگا۔ کچھ لوگوں نے اختلاف کیا کہ بیٹا نہیں ہونا چاہیئے ٹھیک ہے صاف ظاہر ہے صحابیؓ تھے۔ انہوں نے کر دیا لیکن کچھ لوگوں نے اختلاف کیا وہ بھی اسی دور کے لوگ تھے۔ حضرت حسینؓ نے اختلاف کیا ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ کون صحیح تھا۔ اور کون غلط تھا۔ یا کون اِدھر تھا اور کون اُدھر تھا۔ انہوں نے بیعت کی بنیاد پر کام کیا۔ کون میرا ساتھ دیتا ہے۔ اس کے بعد بھی ہماری چودہ سو سال کی تاریخ میں جتنے بھی واقعات ہیں وہ سب بیعت کی بنیاد پر ہوئے 1831ء میں تحریک شہیدین

ہے بالاکوٹ میں جو مدفون ہیں سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ان کی جماعت بیعت کی بنیاد پر تھی۔ پچھلی صدی میں ابوالکلام آزاد نے بیعت کی بنیاد پر جماعت بنائی۔ ایک اور جماعت بنی وہ بیعت کی بنیاد پر تھی۔ علامہ اقبال، ایک جماعت بیعت کی بنیاد پر بنانا چاہتے تھے اس لئے کہ ہماری اسلام میں تاریخ ہے ہی یہی جماعت اسلامی بھی بیعت کی بنیاد پر بننے والی تھی۔ وہ تو آخیر میں معاملہ رہ گیا۔ دوسرا طریقہ بھی حرام نہیں ہے۔ اسے مُباح کہہ لیجئے۔ الیکشن میں حصہ لینا اور حکومت پلٹ کر اسلام نافذ کرنے کا کام کرنا۔ اگرچہ جذبہ ٹھیک ہے لیکن جس چیز کا قرآن میں ذکر ہے حدیثوں میں ذکر ہے ہمارا بارہ سو سال کی تاریخ کے معاملات وہ بیعت کی بنیاد پر ہی ہوتے رہے ہیں لہٰذا ایک جماعت ایسی درکار ہے جو بیعت کی بنیاد پر ہو جہاد کے لئے بیعت ہو دین کا غلبہ اس کا Declared goal ہو سمع وطاعت کی بنیاد پر ہو اور وہ لوگ اس میں شامل ہوں جو پہلا کام کر چکے ہوں۔ اپنی ذات پر اپنے گھر میں اور اپنے کاروبار پر اسلام نافذ کر چکے ہوں۔ اللہ کے دین کے لئے کوشش کر رہے ہوں۔ پھر وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے اس جماعت میں شامل ہو کر کوشش کریں۔

یہ وہ تقاضے ہیں جو ہمارے دین کے ہیں۔ تقاضے تین ہی ہیں اپنی ذات پر خود اللہ کا بندہ بننا۔ اسی کے لئے وعظ وتبلیغ کرنا اور اس دین کو غالب کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ تین فرائض ہیں دو اس کے نتائج ہیں ایک یہ کہ اس کام کے لئے محنت کی ضروری ہے یہ کام صرف دعاؤں سے خواہشات سے اور تسبیحات سے نہیں ہو جائے گا۔ اس کے لئے تو آگے بڑھ کے کام کرنا ہو گا۔ وقت لگانا ہو گا۔ پیسہ لگانا ہو گا۔ اور دوسری Collery یہ ہے کہ اس کے لئے جماعت میں شامل ہونا پڑے گا۔ یہاں تک تو بات عام ہے آپ کسی جماعت میں شامل ہو جائیں دس جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ آپ دیکھیں کونسی جماعت اسلام کے غلبے کے لئے کام کر رہی ہے۔ شامل ہو جائیں۔ گھر بیٹھنا ضروری نہیں ہے۔ آج کل ہمارے ذہن میں ہے کہ بڑے اختلافات ہیں۔ لہٰذا میں تو گھر بیٹھا ہوں کسی جماعت میں شامل ہونا پڑے گا۔ ایک جماعت تنظیم اسلامی کے نام سے بھی کام کر رہی ہے۔ اگر آپ غور کریں گے کہ کس جماعت میں شامل

ہوں تو اس جماعت پر بھی غور ہوسکتا ہے اگر آپ کا دل مانے کہ بہترین کام یہاں بھی ہو رہا ہے۔ تو اس میں شامل ہو جائیں۔ کسی اور میں شامل ہونا چاہئیں تو اس میں شامل ہونا ضروری ہے۔ گھر نہیں بیٹھنا۔ اللہ تعالیٰ پکڑیں گے۔ ختم نبوت کے بعد ہمارے دین کے جو مثبت پہلو میں ان میں سے یہ ایک خوشخبری کی بات ہے جب نبی ﷺ آتے تھے (تو شاید ہم میں سے کسی کے دل میں ہو کہ وہ دور تو بہت خوب ہوتا ہوگا اس وقت کے لوگ صحابیؓ کا درجہ حاصل کر گئے اور اللہ کے ہاں بڑے مقامات انہیں مل گئے لیکن) اس وقت کے لوگوں کا بہت سخت معاملہ ہوتا تھا۔ نبی ﷺ کا معاملہ یہ ہوتا تھا کہ جو ان کے ساتھ ہے وہ مسلمان ہے آپ نبی ﷺ سے اختلاف نہیں کر سکتے اختلاف کیا اور جہنم میں گئے۔ سخت معاملہ تھا جو محمد ﷺ کا مخالف ہے یا دل میں ناراض ہے اس کا بھی ایمان نہیں کتنی سخت بات ہوگی۔ صحابہؓ اکرام نے تو تلوار کی دھار پر چل کر اپنا ایمان بچایا ہے تب درجے ملے۔ شاید ہمارے مزاج کا آدمی اس کو نباہ ہی نہیں سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے ہی چند روز میں ایمان لے آئے تھے اور 23 سال حضور ﷺ کے ساتھ رہے کسی ایک موقع پر بھی دل میں بھی خیال نہیں لائے کہ محمد ﷺ پتہ نہیں کیا بات کر رہے ہیں۔ ایسے تو نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ اگر ایسے ہوتا تو قرآن کہہ رہا ہے کہ ایمان ختم ہے۔ تو کتنا مشکل معاملہ ہے ہم شاید اپنے والد کا کہنا ایک دن بھی نہیں مان سکتے۔ اس طرح کہ کسی بات پر بھی نہ نہ کی جائے۔ آپ طے کر لیں گھر میں کہ والدہ اور والد کے کسی کام سے نہ نہیں کرنی بتائیں آپ کتنے دن نباہ سکیں گے۔ 23 سال نباہ جانا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ تقریباً ہم عمر ہیں حضرت ابوبکرؓ اور محمد ﷺ۔ صرف 2 سال کا فرق ہے چالیس سال کے بعد تو 2 سال کا فرق کوئی رہتا ہی نہیں۔ ختم نبوت ایک لحاظ سے رحمت ہے صحابہؓ کے پاس Choice نہیں تھا کہ محمد ﷺ سے ناراض ہو کر کہاں جائیں سیدھا کفر ہے جہنم ہے ہمارے پاس Choice موجود ہے ایک جماعت ہے آپ اس میں شامل ہو جائیں۔ کچھ عرصے بعد دیکھیں۔ نہیں یار! میں سمجھا تھا یہ شریف لوگ ہیں یہ اچھے آدمی نہیں ہیں۔ اس جماعت کو چھوڑ دیں۔ کوئی کفر و اسلام کا مسئلہ نہیں۔ کسی دوسری جماعت میں شامل ہو جائیں۔ دوسری سے تیسری میں چلے جائیں کوئی مسئلہ

نہیں۔کوئی کفر اسلام کا مسئلہ نہیں۔ یہ Choice جو آج ہمارے پاس ہے یہ رحمت ہے ہمارے لئے دیکھیں کہیں ایک دکان کھلتی ہے، وہ اتنی نہیں چلتی، دو دوکانیں ہو جائیں تو زیادہ چلنے لگتی ہیں دس ہو جائیں تو مارکیٹ بن جاتی ہے۔Choice ہو جاتا ہے آپ بازار جائیں جوتا خریدنا ہو وہاں اگر ایک ہی دکان ہو آپ کہیں گے کہ میری پسند کا جوتا یہاں ہے ہی نہیں۔ کیا کریں۔فیصل آباد جانا پڑے گا۔لاہور جانا پڑے گا۔دس دوکانیں ہیں تو رحمت ہے یہاں سے نہیں مل رہا تو وہاں سے لے لو۔اسی طرح ایک ہی جماعت ہو تو مجبوری ہے کہ اسی میں کام کرنا پڑے گا۔کیونکہ دوسری کوئی ہے ہی نہیں۔دس جماعتیں ہوں تو Choice موجود ہے ان میں سے Selection کا اختیار آپ کے پاس ہے کہ جس میں آپ کا دل مانیں اس میں شامل ہو جائیں۔اور کسی وجہ سے بعد میں دل کہے کہ یار! میں نے تو غلط فیصلہ کر لیا میں سمجھا تھا یہ اچھے لوگ ہیں یہ تو اچھے لوگ نہیں ہیں تو اس میں سے نکل آئیں یہ بھی کوئی کفر اسلام کا مسئلہ نہیں نبی ﷺ کی جماعت کو چھوڑ دینا کفر اسلام کا مسئلہ ہو جاتا تھا۔آج آپ کسی جماعت سے نکل جائیں تو کفر اسلام کا مسئلہ نہیں کسی دوسری جماعت میں شامل ہو جائیں۔لیکن اصل جو اہمیت کی چیز ہے جو متفق علیہ بات ہے وہ یہ کہ دین کے تین فرائض ہیں اپنی ذات میں اللہ کا بندہ بننا یعنی خود اللہ کا بندہ بننا، اسی کی وعظ و تبلیغ کرنا۔پھیلانا اور اللہ کے دین کے غلبے کی کوشش کرنا۔اور دو اس کے نتائج ہیں جیسے نماز کیلئے وضو اور وضو کے لئے پانی ضروری ہے ان فرائض کی ادائیگی کے لئے جدوجہد لازم ہے Struggle لازمی ہے جان اور مال کھپاؤ۔ جو تمہارے پاس پیسہ ہے اس میں سے ایک حصہ اور اپنے اوقات میں سے ایک حصہ نکالو اور ایک جماعت میں شمولیت ضروری ہے یہاں تک تو طے شدہ اصول ہیں اب کس جماعت میں شامل ہونا چاہئے یہ آپ کا اختیار ہے ہر آدمی خود فیصلہ کرے۔پلاٹ خریدنا ہو، گھر خریدنا ہو، کپڑے خریدنا ہیں، جوتے خریدنا ہیں آپ کا اپنا مسئلہ ہوتا ہے۔سوچیں کہاں سے لینا ہے؟ تو اسی طرح ان فرائض کی ادائیگی کے لئے جدوجہد کرنا لازم ہے اور کسی جماعت میں شامل ہونا لازم ہے اب یہ اگلا آپ کا فیصلہ ہے کہ کس جماعت میں شامل ہو کر اپنے فرائض ادا کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا مسئلہ رکھے کہ اے اللہ! یہ مسئلہ ہے اب میں کیا کروں اور پھر جس پر آپ کا دل ٹھکے وہ کام کریں۔

تو یہ ہیں ہمارے دینی فرائض جن میں قرآن وحدیث کی تمام اصطلاحات سمودی گئی ہیں۔ ہر چیز ایک خاص مقام پر فٹ ہوگئی ہے یہ وہ تقاضے ہیں دین کے جو ہمیں ادا کرنے چاہئیں اور یہ وہ کام ہیں جو ہمیں کرنے چاہئیں اگر یہ کام کرنے کے لئے ہم کمر کس لیں محنت کریں کوشش کریں ہزاروں لوگ ہو جائیں تو دنیا میں انقلاب آ سکتا ہے تبدیلی آ سکتی ہے ایسی بات نہیں کہ دنیا میں تبدیلیاں نہ آتی ہوں لیکن ابھی ہمیں اس کا احساس نہیں ہے ہمیں اس کا احساس کرنا ہوگا۔ ابھی تھوڑے لوگ ہیں میں آپ کو بتا رہا ہوں آپ کھڑے ہو جائیں، کمر ہمت کس لیں تو اسی ٹوبے میں دو تین پانچ سالوں میں دس ہزار آدمی جمع ہو جائیں اسی طرح لاہور، کراچی میں ہو جائیں۔ انقلاب آ سکتا ہے کہ نہیں آ سکتا۔ کوئی مسئلہ نہیں لیکن اس میں رکاوٹیں بنتی ہیں کیا کیا جائے تو فیصلہ کرنے میں دشواریاں آتی ہیں لیکن بہرحال فرائض یہی ہیں جو ہمیں ادا کرنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ حضرات کو بھی۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی و لکم ولسائر المسلمین و المسلمات۔

خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ

''حکمت بالغہ'' کے اجراء پر یقیناً مدیر انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب، ان کی ٹیم، اس کی اشاعت میں مالی تعاون فرمانے والے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ایسے دور میں اصلاح معاشرہ کا بیڑا اٹھایا ہے۔ جب طوفان بدتمیزی آیا ہوا ہے۔ جو اسلام کی بنیادیں

اکھاڑ نا چاہتا ہے۔مسلمان جو کہ ایک خاص قوم ہے کو ایک عام قوم میں بدلنے کے لئے بے چین ہے۔ایسے ماحول میں دینی تعلیمات سے مالا مال لوگوں کی آزمائش کا وقت ہے کہ یہ کس طرح اس طوفان بدتمیزی کا مقابلہ کرتے ہیں''حکمت بالغہ'' کا عملی ،علمی اور سیاسی طور پر کس طرح استعمال کرتے ہیں اور اس دور میں جس حکمت بالغہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمان اور مسلم قوت اسلام (پاکستان) کی کس طرح رہنمائی کرتے ہیں اور بخیریت زور قلم سے اس قوم کو طوفان سے بچا کر اسلام کے''دامن عافیت میں پناہ دلاتے ہیں'' ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کا اس کے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔

دعا گو

عبدالقدوس اعوان